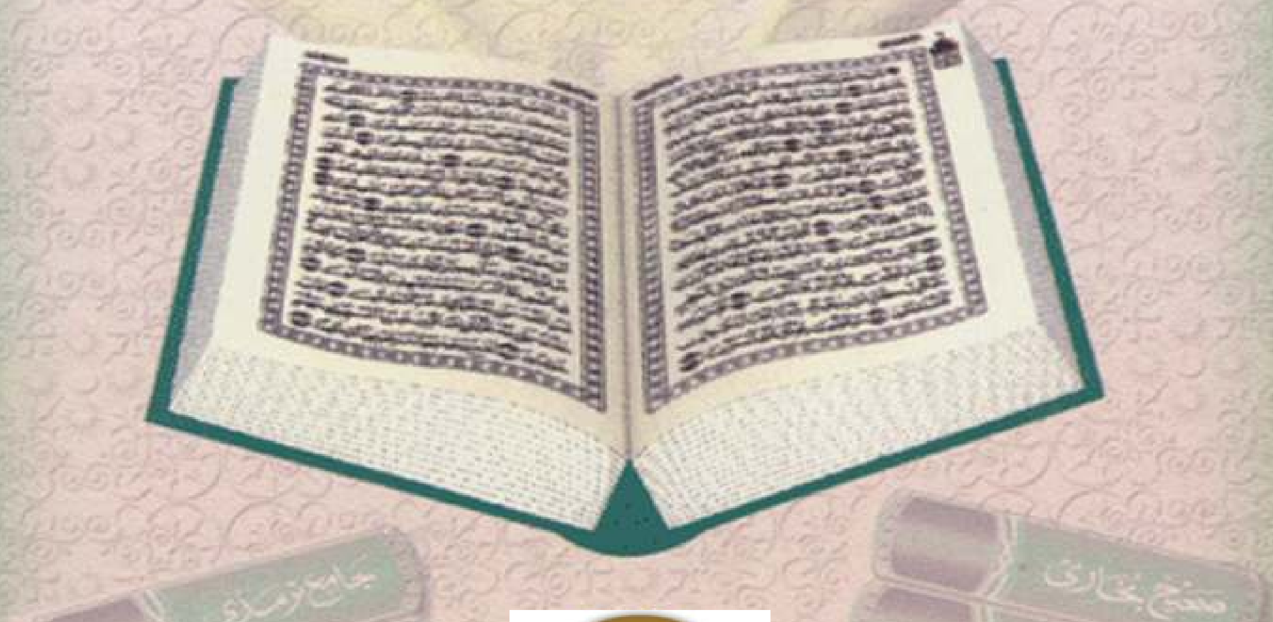
میراث الانبیاء



فضیلۃ الشیخ ابو عمر الکویتی حفظہ اللہ

دار القرآن والسنۃ

میراث الانبیاء

مؤلف:ابوعمرالکویتی حفظه الله

ترجمہ:الاستاذ عبدالعظیم حسن زئی حفظہ اللہ

ناشر: دارالقران والسنة الکراتشی باکستان

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدائے مترجم

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ

ترجمہ: اور ہم نے آپ ﷺ کو نہیں بھیجا مگر تمام انسانوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور خبر دار کرنے والا مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔(سبا:28)۔

جس طرح اللہ تعالیٰ رب العالمین اور رب الناس ہے ملک الناس ہے، الہ الناس ہے یعنی تمام مخلوقات کا رب اور تمام انسانوں کا مالک و معبود اسی طرح وہ تمام انسانوں کی بھلائی بھی پسند کرتا ہے۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ

اگر تم ایمان لاؤ اور شکر کرو تو اللہ تمہیں کیوں عذاب دے گا؟

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اچھی زندگی گزارنے، دنیوی و اُخروی فلاح و کامرانی کے لئے عقل و شعور سے نوازا ہے اور پھر صرف عقل کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا بلکہ سلسلہ رسالت و نبوت کا آغاز کر کے اسے بار بار متنبہ کرتا رہا کہ کس طرح دنیاوی و اُخروی زندگی سنور سکتی ہے اور کن اعمال و عقائد کی وجہ سے دنیا و آخرت برباد ہو سکتے ہیں؟ سلسلہ نبوت کا اختتام خاتم النبیین جناب محمد الرسول اللہ ﷺ کی بعثت بابرکت پر ہوا اور آپ ﷺ کو مخاطب کر کے اللہ نے فرمایا کہ اے محمد (ﷺ) آپ کی بعثت تمام نوع انسانی کی فلاح و کامرانی کی ضمانت ہے مگر لوگ ہی نادان ہیں کہ آپ کی حیثیت آپ کی رسالت، شریعت و پیغام اور آپ (ﷺ) کے مقام و مرتبہ سے بے خبر ہیں اور اپنی اس بے خبری و نادانی پر پشیمان و شرمندہ ہونے کے بجائے کامیابی و کامرانی کے ضامن دین کو بھیجنے والے رب کو چھوڑ کر ارباب متفرقون سے کامیابی کی اُمیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔ تمام روحانی امراض کے لئے شفاء کامل شریعت دین محمدی ﷺ کو پس پشت ڈال کر اپنے جیسے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین و دساتیر میں فلاح کی راہ ڈھونڈ رہے ہیں حالانکہ تمام تر تجربات کے بعد بھی یہ بات اچھی طرح واضح ہو چکی ہے کہ کوئی بھی انسان چاہے ارسطو ہو یا افلاطون انسانوں کی کامیابی و کامرانی کا ضامن آئین مرتب نہیں کر سکے، خامیوں اور کوتاہیوں سے پاک تمام افراد بشر کے مفاد کا ضامن قانون صرف اللہ رب العالمین کا وہ قانون ہے جو اس نے اپنے آخری نبی جناب رحمۃ اللعالمین کے ذریعے انسانوں کو دیا ہے مگر خرد و عقل سے بیگانہ انسانوں نے اس کی اہمیت و افادیت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی جس طرح مشرکین فی العبادات نے پوجا و پرستش کے لئے بیشمار معبود بنا رکھے ہیں اسی طرح شرک فی الاطاعت میں مبتلا لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کے لائے ہوئے قوانین کو چھوڑ کر خود ساختہ قوانین کی پیروی شروع کی۔ شرک نظریات کے انتشار اور توحید وحدتِ نظریات کا نام ہے۔ چونکہ اسلام انسانی نفوس کی تہذیب کے لئے آیا ہے عرب و عجم شہری دیہاتی، ان پڑھ اور

پڑھے لکھے سب کی تربیت کے لئے، فلاح کے لئے، کامیابی کے لئے انسانوں کو باہم متحد و متفق ہو کر کوشش کرنی ہوگی اور باہمی اتفاق و اتحاد تب ہی ممکن ہے جب ایک اللہ ، ایک رسول اور ایک دین کی پیروی پر متفق ہوں گے۔ اس مقصد کے لئے علمائے اسلام نے تصنیفی و تبلیغی کوششیں کی ہیں اور کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ کی بیش قیمت کاوش رسائل بنام "میراث الانبیاء" بھی ہے جس میں توحید ربوبیت، الوہیت، کلمہ توحید کا صحیح مفہوم اور انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کی پیروی کی تردید بہت ہی علمی اور مدلل طریقے سے کی گئی ہے۔

عربی کی اس خوبصورت تصنیف کو اردو میں منتقل کرنے کی ذمہ داری راقم نے حتی الوسع بہتر انداز سے نبھانے کی کوشش کی ہے۔ ادارے کی سابقہ نشریاتی خدمات میں یہ بھی ایک حسین اضافہ شمار ہوگی۔ ان شاء اللہ۔ اللہ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو مصنف، ناشر اور دیگر معاونین اور راقم کے لئے ذخیرۂ آخرت اور مسلمانوں کے لئے نفع کثیر کا ذریعہ بنادے آمین۔

عبدالعظیم حسن زئی حفظہ اللہ
استاذ جامعہ ستاریہ اسلامیہ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

ان الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلاھادی لہ و اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ
امابعد:

تین رسالے جن میں توحید کا بیان ہے اور موجودہ دور میں مختلف صورتوں میں جو شرک رائج ہے اس سے بچاؤ کی تدابیر وطریق بیان کئے گئے ہیں۔ ان طالبانِ علم ومتلاشیانِ حق کی خدمت میں ہم یہ رسائل پیش کر رہے ہیں جو اپنے دین اور توحید کو ایسے دور میں محفوظ رکھنا چاہتے ہیں جس میں شرک کی بعض ایسی صورتیں وجود میں آچکی ہیں کہ جنہیں (الا ماشاء اللہ) اکثر لوگ نہیں جانتے۔ یہی موضوع ہم نے شرح وبسط کے ساتھ پہلے کئی رسائل میں بیان کیا ہے جو "سلسلہ رسائل میراث الانبیاء" کے نام سے مشہور ہے۔ توحید کے موضوع پر اتنا کچھ لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء کرام سے اُمتوں کو جو کچھ وراثت میں ملا ہے اس میں سب سے بڑی اور اہم چیز توحید باری تعالیٰ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ (النحل:36)۔

ہم نے ہر اُمت کے میں رسول بھیجا (وہ کہتا تھا) اللہ کی عبادت کرو طاغوت سے اجتناب کرو۔ ان میں سے کچھ کو اللہ نے ہدایت دی اور کچھ ایسے تھے کہ گمراہی ان کا مقدر بنی۔ تم زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ (نبیوں کو) جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟

حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وان العلماء ورثة الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما وانما ورّثوا العلم فمن اخذہ اخذ بحظ وافر (ابوداود، ترمذی)۔

علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء کی میراث درہم و دینار نہیں بلکہ علم ہے جس نے یہ (انبیاء کا) علم حاصل کر لیا تو اسے (میراث انبیاء کا) بہت بڑا حصہ مل گیا۔

انبیأ سے ملنے والے علوم میں سب سے بڑا علم توحید کا ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات:56)

میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَ مَثْوٰىكُمْ (محمد:19)۔

جان لو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ اپنے گناہوں کی مغفرت مانگتے رہو اور مومن مرد و عورتوں کے لئے بھی۔ اللہ تمہارا باز گشت اور ٹھکانہ جانتا ہے۔

لا الٰہ الا اللہ کے علم سے مراد ہے کہ اس کی شروط، ارکان، نواقض اور اس کے لوازمات۔ اور یہ سب باتیں ہم نے اس پہلے رسالے میں بیان کر دی ہیں جہاں ہم نے توحید، اس کی شرائط، ارکان، نواقض اور اصول و قواعد کا تذکرہ کیا ہے۔

دوسرے رسالہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا فیصلہ طاغوت سے کرواتا ہے تو یہ (اسلام کا مطلوب) کفر بالطاغوت نہیں ہے۔ یہاں طاغوت سے فیصلہ کروانے والوں سے وہ لوگ مراد نہیں ہیں جو طاغوت کو اپنا حاکم مانتے ہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو کوئی فیصلہ یا اپنے تنازعات طاغوت کے پاس لے جاتے ہیں۔ (یعنی طاغوت کو مستقل حاکم بنانا تو ہے ہی غلط، اگر کوئی ایک فیصلہ بھی طاغوت کے پاس لے گیا تو یہ کفر بالطاغوت کے منافی ہو گا)۔

انتہائی افسوس کی بات ہے کہ موجودہ دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ اپنے فیصلے طاغوت سے کرواتے ہیں (اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے علاوہ جس سے بھی فیصلہ کروایا جائے گا وہ طاغوت کہلائے گا) اور یہ اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے مد نظر کوئی مالی یا منصبی مفاد ہوتا ہے۔ حالانکہ انہیں معلوم نہیں کہ انسان کے لئے یہ جائز نہیں کہ ان چیزوں کی وجہ سے جہاد سے پیچھے رہ جائے اور اگر ان آٹھ چیزوں کی وجہ سے کوئی جہاد سے رہ گیا جن کا ذکر اس آیت میں موجود ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (التوبہ:24)۔

(اے محمد ﷺ ان سے) کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، رشتہ دار، تمہارا کمایا ہوا مال، تجارت جس کے مندے کا تمہیں اندیشہ ہو، وہ گھر جسے تم پسند کرتے ہو (یہ سب) تمہیں اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اللہ کی راہ میں جہاد سے بڑھ کر پسند ہوں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے۔ اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

اس طرح کرنے والے شخص کا ان آٹھ میں سے کوئی عذر قبول ہو گا؟ ہر گز نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ ان اشیاء کی وجہ سے جہاد ترک کرنے والوں کی مذمت کرے تو سوال یہ ہے کہ جو شخص ان آٹھ یا ان میں سے کسی ایک کے لئے توحید کو چھوڑ کر شرک اختیار کر لے تو کیا وہ شخص زیادہ قابل مذمت ہے یا جہاد چھوڑنے والا؟ اس کا جواب یہی ہے کہ تارکِ توحید تارکِ جہاد سے زیادہ قابل مذمت ہے۔ جب یہ بات ہے تو سوچنا چاہیئے کہ جب اللہ تعالیٰ ان اشیاء کی وجہ سے ترکِ جہاد کی معذرت قبول

نہیں کرتا تو تارکِ توحید کی معذرت کس طرح قبول کرے گا؟ ہاں البتہ کفر پر مجبور کر دیئے جانے والوں کی معذرت اللہ قبول کرتا ہے۔ جس طرح سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا تھا۔ یہ صورت استثنائی ہے، اسے رخصت کہا جاتا ہے جو بعض مخصوص حالات میں اپنائی جاسکتی ہے۔ اس رخصت کے باوجود اگر کوئی شخص جان دے دے مگر کفر نہ کرے تو یہ پھر بھی افضل ہے۔

شیخ حمد بن عتیق رحمہ اللہ نے مذکورہ آیت پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے باپ اور بھائی سے بھی تعلق رکھنے سے منع کیا ہے (حالانکہ یہ قریب ترین رشتہ دار ہیں) جب ان کا دین الگ ہو وہ دونوں ایمان باللہ کے اقراری نہ ہوں۔ اور اللہ نے یہ بھی وضاحت کر دی ہے کہ جو مسلمان اپنے کافر باپ یا بھائی سے اچھے تعلقات رکھے گا تو وہ ظالم شمار ہو گا۔ جب کافر باپ اور بھائی تک سے تعلق رکھنا ظلم ہے تو پھر ان کافروں سے دوستی رکھنے والوں کو کیا کہا جائے گا جو کافر ہونے کے ساتھ ساتھ دشمن بھی ہیں۔ کیا ایسے شخص کو ظالم نہیں کہیں گے؟ کیوں نہیں؟ یہ تو سب سے بڑا ظالم شمار ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ہمیں بتا دیا ہے کہ مذکورہ آٹھ اشیاء کافروں سے دوستی کا عذر نہیں بن سکتیں لہٰذا کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ان میں سے کسی ایک کو اس خوف سے پسند کرے کہ کہیں یہ ضائع نہ ہو جائے۔ اس لئے کہ ان میں سے کسی بھی چیز کو اللہ نے بطور عذر کے قبول نہیں کیا ہے۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ بہت سے مفسرین کی رائے تو یہ ہے کہ یہ آیت صرف جہاد سے متعلق ہے، آپ نے اسے دیگر مواقع پر کیسے محمول کر لیا؟ اس کا جواب ہم دو طرح سے دیں گے۔

1۔ جب یہ آٹھ چیزیں ترکِ جہاد کے لئے عذر نہیں بن سکتیں جو کہ فرض کفایہ ہے تو مشرکین اور کافروں سے دشمنی و دوستی کے لئے تو کسی بھی صورت میں عذر نہیں بن سکتیں۔

2۔ آیت مذکورہ جس طرح جہاد کے بارے میں ہے اسی طرح اس میں لفظ "احب الیکم من اللہ و رسولہ" بھی ہے اور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ مشرکوں سے عداوت پر ان سب کو قربان کر دیا جائے اور ان سے دشمنی کو مقدم رکھا جائے جس طرح کہ جہاد کو ان پر مقدم رکھا جاتا ہے

میراث الانبیاء کے سلسلہ کے تیسرے رسالے میں ان لوگوں پر ردّ ہے جو اسمبلیوں اور آئین ساز اداروں میں جاتے ہیں اور اس میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ قانون سازی کرنے والے اور قانون ساز (اسمبلی ممبران) کے لئے آواز بلند کرنے والے (حمایتی) دونوں شرکِ اکبر میں مبتلا ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ اور اس کی اعلیٰ صفات کے توسط سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں تمام اقسام کے شرک سے محفوظ رکھے اور ہمیں ظاہر و باطن ہر قسم کے فتنوں سے بچائے اور ہمیں صحیح عقیدہ، قول اور عمل عطا فرمائے، ہمیں کفر اور گمراہی میں جانے سے بچائے۔ اللہ ان سب پر قادر ہے۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد و علی آلہ و صحبہ وسلم تسلیماً کثیرا

ابو عمر الکویتی حفظہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسالہ اوّل

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

امابعد!

مسلمانوں کو یہ بات مد نظر رکھنی چاہیئے کہ توحید بندوں پر اللہ کا حق ہے اور یہی وہ مقصود اصلی ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات:56)

میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

علماء نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ "تاکہ وہ میری وحدانیت تسلیم کریں اور میں ہی انہیں حکم کروں گا اور میں ہی منع کرنے کا اختیار رکھوں گا اور توحید ہی سب سے بڑا عدل ہے"۔ اب جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا قائل ہو گا تو وہی شخص ہر چیز کو اپنے صحیح مقام پر رکھنے والا شمار ہو گا اور وہی صحیح عبادت کرنے والا ہے۔ فرمانِ ربانی ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (آل عمران:18)

اللہ نے گواہی دی اور فرشتوں واہل علم نے بھی کہ وہ (اللہ) ایک ہے، عدل پر قائم ہے، وہی معبود ہے جو غالب حکمت والا ہے۔

توحید کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کو افعال، اسماء، صفات، ربوبیت کے اُمور اور اپنی عبادات میں اکیلا و تنہا تسلیم کرلے۔

شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ جس نے شرک کا ارتکاب کیا تو اس نے ایک چیز کو غلط مقام پر رکھ دیا یعنی عبادت اس کے لئے کی جو اس کا مستحق نہیں تھا۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے جس کا یہ مرتکب ہوا ہے۔ جیسا کہ لقمان کا قول اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر کیا ہے کہ:

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان 13)۔

جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹے شرک مت کرنا بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اللہ نے اپنی عظمت و جلالۃ شان سے متعلق جو اُمور ذکر کئے ہیں کہ اللہ اس دن اس طرح اس طرح کرے گا تو یہ صرف ان کاموں کا ذکر ہے جو عقل میں آسکنے والے ہیں ورنہ اللہ کی عظمت تو اس سے بہت بلند ہے کہ کسی کی عقل اس کا یا اس کے افعال کا احاطہ کرے جیسا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

ما السموات السبع والارض السبع فی کف الرحمن الا کخردلۃ فی کف احدکم

ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اللہ کی ہتھیلی میں ایسی ہیں جیسے تم میں سے کسی کی ہتھیلی میں رائی کا دانہ ہو۔

اب اتنے بڑے رتبے والے اللہ کی عظمت و جلالۃ شان میں کس طرح کسی مخلوق کو شامل کیا جا سکتا ہے جو اپنے لئے کسی نفع و نقصان کا اختیار نہ رکھتا ہو؟ اگر کوئی اس طرح کرتا ہے تو یہ شرک ہے اور اس کو سب سے بڑی جہالت اور ظلم بھی کہا جا سکتا ہے۔ جس طرح اللہ کے ایک نیک بندے لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا تھا کہ بیٹا اللہ کے ساتھ شرک مت کرنا بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے (لقمان:13)، (تاریخ نجد:583)

شرک کا معنی ہے کسی مخلوق کو اللہ کی صفات، اسماء یا عبادت میں شریک کرنا توحید کو سمجھنے کے لئے علم کی ضرورت ہوتی ہے اور شرک کے ساتھ جہالت لازم وملزوم ہے جس طرح کہ قرآن نے دونوں صفات کو ان آیات میں اس طرح ذکر کیا ہے۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَ مَثْوٰىكُمْ (محمد:19)۔

اس بات کو جان رکھو کہ اللہ کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں ہے اپنے اور مومن مرد مؤمن عورتوں کے گناہوں کی مغفرت طلب کرو اللہ تمہارا چلنا پھرنا اور تمہارا ٹھکانہ جانتا ہے۔

شرک کے بارے میں فرمایا:

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۔(زمر۔64)

کہہ دیجئے (اے محمد ﷺ) کہ اے جاہلو تم مجھے حکم کرتے ہو کہ میں غیر اللہ کی عبادت کروں؟

لہٰذا مسلمان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس بات کا علم رکھتا ہو کہ اللہ نے اس پر جو توحید لازم کر رکھی ہے اس کی شروط، ارکان اور نواقض کیا ہیں اور پھر اس حاصل شدہ علم کے مطابق عمل کرے تاکہ اپنے رب کی توحید کی حفاظت کر سکے۔

امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کہ لا الہ الا اللہ کے مفہوم کو نماز روزہ سے پہلے سمجھنا ضروری ہے اور واجب ہے مسلمان پر لازم ہے کہ وہ نماز روزہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے سے پہلے لا الہ الا اللہ کا معنی و مطلب معلوم کرے اس طرح شرک کی حرمت اور طاغوت پر ایمان کی حرمت ماؤں اور پھوپھیوں کی حرمت سے بڑھ کر ہے۔ ایمان کا سب سے اعلی درجہ لا الہ الا اللہ کی گواہی

ہے اس کا معنی ہے کہ بندہ یہ گواہی دے رہا ہے کہ الوہیت ساری اللہ کے لئے ہے اس میں کوئی نبی، فرشتہ یا ولی شریک نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کا بندوں پر حق ہے کہ وہ الوہیت صرف اسی کے لئے ثابت مانیں۔اور طاغوت کے انکار کا معنی ہے کہ ہر اس چیز سے بیزاری کا اعلان جس کے بارے میں مشرکین کوئی عقیدہ رکھتے ہیں چاہے وہ جن ہو یا انسان ہو یا پتھر، درخت وغیرہ ہو ان سے بیزاری اور نفرت کے ساتھ ساتھ ان کے بارے میں مشرکانہ عقیدہ رکھنے والوں کو کافر اور گمراہ بھی مانے اگرچہ اس طرح کا عقیدہ رکھنے والا باپ ہو یا بھائی ہو اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں تو صرف اللہ کو پکارتا ہوں اسی کی عبادت کرتا ہوں مگر میں قبروں اور مزارات پر بننے والے قبوں اور عمارتوں یا ان پر منعقد ہونے والے میلے اور عرس وغیرہ کو کچھ نہیں کہتا انہیں روکنے یا انکی ممانعت کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے تو ایسا شخص اپنے دعوی لا الہ الا اللہ میں سچا نہیں ہے وہ اللہ پر ایمان اور طاغوت کا انکار نہیں کر رہا۔ ہم نے ایسے شخص کے بارے میں مختصر سا فیصلہ سنا دیا ہے مگر اسکی مزید تفصیل ضروری ہے دین اسلام اور رسول ﷺ کی رسالت کو سمجھنے کے لئے یہ تفصیلات ضروری ہیں اور مسلمانوں کے سامنے فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسك بالعروۃ الوثقی (بقرہ:256) کے بارے میں علماء کے اقوال لانا بھی ضروری ہے مسلمان کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ جو توحید رسول ﷺ نے امت کو سمجھانے کی کوشش کی ہے اسے سمجھنے کی کوشش کرے اور اگر کوئی شخص اس بات سے اعراض کرے منہ موڑے دنیا کو دین پر ترجیح دے تو اللہ اس کی جہالت کی وجہ سے اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے

(مجموعة الفتاوی والرسائل والاجوبة خمسون رسالة فی التوحید للامام محمد بن عبدالوهاب ص 135)

توحید کی شرائط

شرط کا معنی یہ ہے کہ جب وہ نہ پائی جائے تو مشروط بھی موجود نہ ہو مگر یہ ضروری نہیں کہ جب بھی شرط پائی جائے تو مشروط بھی پایا جائے۔ شرط مشروط سے مقدم ہوتی ہے یعنی مشروط سے پہلے شرط کا ہونا لازم ہے شرط کی اس اہمیت کی بنا پر ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ توحید کی شرائط معلوم کرے اور ان کو اپنے اندر پیدا کرے اس لئے کہ ان شروط کے نہ ہونے سے توحید بھی معدوم ہو جاتی ہے اور توحید ایمان کی بنیاد ہے گویا ایمان ہی ناپید ہو جاتا ہے جس طرح کہ نماز کی شرائط میں سے اگر کوئی شرط یعنی قبلہ رخ ہونا، ستر ڈھانپنا وغیرہ فوت ہو جائے تو نماز ہی باطل ہو جاتی ہے اس لئے کہ نماز کی صحیح ادائیگی اور قبولیت کے لئے یہ شرائط ہیں ان کی عدم موجودگی میں نماز نہیں ہوتی اسی طرح توحید کی شرائط اگر نہ ہوں تو توحید بھی نہیں ہو گی توحید کی شرائط سات۔

1۔ **علم:۔** جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: فاعلم انه لا اله الا الله (محمد۔19) اس بات کو جان لو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔اللہ کے بارے میں یہ علم اس لئے ضروری ہے کہ اللہ کے ایک ہونے اور اکیلے ہی مستحق عبادت ہونے سے

لاعلمی بندے کے قبول اسلام میں رکاوٹ ہے اس لئے کسی بھی انسان پر اسلام قبول کرنے کیلئے اللہ کی وحدانیت اور مستحق عبادت ہونے کا علم لازم ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

من مات وھو یعلم انه لا اله الا الله دخل الجنة۔

جو اس حال میں مر گیا کہ وہ اس بات کا علم رکھتا تھا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے تو یہ آدمی جنت میں داخل ہوگا۔ (صحیح مسلم)

شیخ عبدالرحمن بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کے علماء نے لا الہ الا اللہ کے معانی اس کے منافی اور اس کو ثابت کرنے والے امور ذکر کئے ہیں جن کا جاننا ضروری ہے کہ انکا جاننا اللہ نے ضروری قرار دیا ہے۔

ابو المظفر وزیر کہتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ ایک گواہی ہے اور جو شخص کسی بات کی گواہی دے رہا ہو تو اس پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اس بات سے واقف ہو جس بات کی گواہی دے رہا ہے لہٰذا جو مسلمان لا الہ الا اللہ کا اقرار کر رہا ہے اسے اس شہادت اور گواہی کے بارے میں علم ہونا چاہیئے اس لئے کہ اسکا حکم اللہ نے دیا ہے کہ:

فَاعۡلَمۡ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا الله

اس بات کو جان رکھو کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

یعنی الوہیت صرف اسی کے لئے واجب ہے کوئی اس کا حق نہیں رکھتا اس طرح اس کلمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ طاغوت کا انکار لازم ہے اللہ پر ایمان ضروری ہے جب کوئی انسان تمام مخلوق سے الوھیت کی نفی کر کے صرف اللہ کے لئے اسے ثابت کرتا ہے تو یہ کفر بالطاغوت اور ایمان باللہ ہے۔ (الدرر السنیة 2/216)

شیخ عبداللہ بن عبدالرحمن ابابطین کہتے ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے۔

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنۡذَرُوۡا بِهٖ وَلِيَعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ (ابراہیم 52)۔

یہ لوگوں تک پہنچانا ہے اور تاکہ اس کے ذریعہ سے (یہ انبیاء) لوگوں کو متنبہ کریں اور یہ لوگ جان لیں کہ وہ اکیلا معبود ہے اور تاکہ عقلمند نصیحت حاصل کریں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لیعلموا انما ھو الہ فرمایا ہے جس کا معنی ہے تاکہ وہ اللہ کی وحدانیت کا علم حاصل کریں یہ نہیں فرمایا کہ لیقولوا انما ھو الہ وہ کہیں کہ وہ اللہ ہی اکیلا معبود ہے یعنی صرف کہنا نہیں بلکہ جاننا ضروری ہے دوسری آیت میں فرمایا

اِلَّا مَنۡ شَهِدَ بِالۡحَقِّ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ (زخرف:86)۔

جس نے حق کی گواہی دی اور وہ اس کا علم بھی رکھتے ہوں۔

یعنی جس بات کا زبان سے اقرار کر رہے ہیں اس کے بارے میں علم بھی ہو علماء نے اس آیت اور اسی طرح کی دوسری آیات سے استدلال کیا ہے کہ انسان پر سب سے پہلے اللہ کے بارے میں معلومات کرنا واجب ہے لا الہ الا اللہ کے بارے میں علم بھی فرائض میں سے ہے اور اس کلمہ کے معنی سے لاعلمی سب سے بڑی جہالت ہے مگر آج کل کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جب ان کے سامنے لا الہ الا اللہ کا معنی و مفہوم بیان کیا جاتا ہے اور انہیں کہا جاتا ہے کہ اس کے معنی و مطلب کو سیکھیں یاد رکھیں تو وہ کہتے ہیں کہ اسلام نے ہم پر ایسی کوئی ذمہ داری نہیں ڈالی کہ ہم لا الہ الا اللہ کا معنی بھی سمجھیں تو ہم ان سے یہ عرض کریں گے کہ آپ پر توحید کو سمجھنا لازم ہے وہ توحید جس کے لئے اللہ نے جن اور انسانوں کو پیدا کیا ہے اور تمام رسولوں کو توحید سمجھانے اور اس کی طرف دعوت دینے کے لئے ہی مبعوث فرمایا ہے۔ اور یہ بھی انسان پر لازم ہے کہ وہ توحید کے مخالف اور متضاد عمل سے بھی واقفیت حاصل کرے یعنی شرک سے جس کی مغفرت کبھی بھی نہیں ہو سکتی۔

اگر کوئی لاعلمی کی بنا پر بھی شرک کر بیٹھے تو یہ بھی ناقابل معافی ہے اس بارے میں عدم واقفیت کا عذر قبول نہیں ہو گا اس طرح شرک میں کسی کی تقلید و پیروی بھی جائز نہیں جس طرح توحید اسلام کی بنیاد ہے اس طرح شرک اس بنیاد کو ختم کر دینے والا ہے لہٰذا اس میں کسی قسم کی معذرت قابل قبول نہیں ہوتی اس لئے کہ جو شخص معروف کو جانتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ منکر کو بھی معلوم کرے تاکہ اس سے اجتناب کر سکے خاص کر سب سے اہم معروف اور اہم منکر یعنی توحید اور شرک۔ (الدرر السنیۃ 12/58)

شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمن فرماتے ہیں شیخ محمد بن عبدالوہاب کا قول ہے کہ صرف لفظی طور پر لا الہ الا اللہ کی شہادت بغیر معنی و مطلب کے سمجھے کافی نہیں ہے اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کئے بغیر کوئی مسلمان نہیں کہلا سکتا۔ اگرچہ یہ کرامیہ فرقہ کا عقیدہ و نظریہ ہے مگر ان کی یہ باتیں صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو زبانی اقرار کے باوجود جھوٹا قرار دیا جیسا کہ ارشاد ہے:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۔ (المنافقون:1)

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس منافقین آکر یہ کہیں کہ ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ جانتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ یہ گواہی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔

حالانکہ انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اقرار کے لئے جو الفاظ استعمال کئے تھے وہ تاکید کا فائدہ دیتے ہیں یعنی اپنے قول کو اچھی طرح ثابت کرنے کی کوشش کی مگر اللہ نے بھی ویسے ہی الفاظ سے انکی تردید و تکذیب کر دی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے لئے صدق و عمل دونوں لازمی ہیں تب ایمان کہلائے گا اب اگر کوئی شخص لا الہ الا اللہ کی گواہی زبان

سے دیتا ہے مگر غیر اللہ کی عبادت بھی کرتا ہے تو اس کا یہ لفظی و زبانی دعوی کوئی حیثیت نہیں رکھتا اگرچہ وہ نماز پڑھتا رہے قربانیاں دے روزے رکھے دیگر اسلامی رسوم ادا کرتا رہے اللہ کا ارشاد ہے:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ۔(بقرۃ:85۔الدار السنۃ12/535)

تم کتاب کے کچھ حصہ پر ایمان لاتے ہو کچھ حصے کا انکار کرتے ہو؟

لہٰذا مسلمان پر جس طرح توحید کو سمجھنا اور اس کو اپنانا لازم ہے اسی طرح تمام قسم کے شرکیہ افعال و اقوال سے اجتناب بھی ضروری ہے۔

2۔ **دوسری شرط یقین۔**

یعنی توحید اور لا الہ الا اللہ کے معنی و مطلب کو سمجھنے کے بعد اس پر یقین رکھنا اسمیں کسی قسم کا شک نہ کرنا اس بات پر دل سے یقین کرنا کہ اللہ ہی تمام قسم کی عبادات کا اکیلا مستحق ہے اس میں ذرا سا بھی شک یا تردد نہ کرے اللہ تعالی نے مؤمنین کی یہی تعریف کی ہے اور انہیں اپنے دعوی ایمان میں سچا قرار دیا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۔(الحجرات:15)

مومن وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور پھر شک نہیں کیا اور اپنے اموال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہی لوگ سچے ہیں۔

اس طرح ایک حدیث شریف میں آتا ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے یہ گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد میں اللہ کا رسول ہوں اور پھر اس گواہی میں شک نہیں کیا تو وہ شخص جنت میں داخل ہو گا۔(صحیح مسلم)۔

3۔ **تیسری شرط۔ قبول کرنا:**

یعنی توحید اور لا الہ الا اللہ کے معنی کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ اسے قبول کرے اور عبادات میں سے کسی بھی قسم کی عبادت کو رد نہ کرے یعنی انکار نہ کرے۔ اللہ تعالی نے کفار کی یہی خرابی بیان کی ہے۔

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ (صافات:35)۔

جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے تو یہ لوگ تکبر کرتے تھے (کہتے تھے) کیا ہم ایک دیوانے شاعر کے قول پر اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں؟۔

4۔ **چوتھی شرط: تابعداری۔**

یعنی توحید کو سمجھنے اس پر یقین کرنے اسے قبول کرنے کے بعد اس کے تقاضا کے مطابق عمل کرنا ہے اور وہ اس طرح کہ ہر طاغوت کا انکار اور بیزاری صرف ایک اللہ پر ایمان اس کیلئے خود کو مختص کر دینا۔

فَلَاوَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا(ساء:65)

تیرے رب کی قسم (اے محمد) یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک اپنے اختلافی امور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم نہ مان لیں اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیئے ہوئے فیصلے سے اپنے دل میں کوئی خلش محسوس نہ کریں اس فیصلہ کو مکمل طور پر تسلیم کرلیں۔

شرط ثالث اور رابع میں فرق یہ ہے کہ قبول کرنا اقوال میں ہوتا ہے اور تابعداری افعال میں ہوتی ہے۔

علامہ عبدالرحمن بن حسن کہتے ہیں اسلام صرف دعوے کا نام نہیں ہے بلکہ اسلام کا مطلب ہے اللہ کی توحید کو اپنانا اور اس کی اطاعت کرنا اس کے سامنے جھکنا اس کی ربوبیت کو تسلیم کرنا اور اللہ کی صفات کو تمام مخلوق سے نفی کرنا جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى

جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لے آیا تو اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا۔ (بقرہ:256)

دوسری جگہ ارشاد ہے۔۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ

(یوسف40،الدرالسنیۃ کتاب التوحید2/264)

حکم صرف اللہ کا ہے اس نے یہ حکم دیا ہے کہ صرف اس کی عبادت کرو یہی سیدھا اور قائم رہنے والا دین ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

5۔ پانچویں شرط:صدق

یعنی توحید اور کلمہ کے مطلب کو سمجھنے یقین کرنے قبول کرنے تابعداری کرنے کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ ان امور میں انسان سچائی سے کام لے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ما من احد یشهد ان لا اله الا الله و ان محمدا عبده ورسوله صدقا من قلبه الا حرمه الله علی النار ۔

جس شخص نے اللہ کی وحدانیت محمد کی رسالت وعبدیت کا اقرار دل کی سچائی سے کرلیا تو اللہ نے اسکو جہنم پر حرام کر دیا ہے (بخاری ومسلم)

ایک اور مقام پر فرمایا ہے:

من قال لا اله الا الله صادقا من قلبه دخل الجنة (مسند احمد)

جس نے سچے دل سے لا الہ الا اللہ کہدیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

مگر جو شخص زبان سے اقرار کرتا ہے مگر دل سے کلمہ کے مطالب سے انکاری ہے تو زبانی اقرار کوئی نتیجہ مرتب نہیں کرتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ کہتے ہیں۔

نشهد انك لرسول الله

ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اللہ نے فرمایا:

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ (منافقون:1)

اللہ بھی گواہی دیتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ یہ بھی گواہی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔

اسی طرح ایک اور آیت میں بھی اللہ نے ایسے لوگوں کی تکذیب کی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۔ (بقرہ:8)

کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں۔

6۔ **چھٹی شرط اخلاص۔**

مذکورہ تمام باتوں کو تسلیم کرنے میں اخلاص سے کام لے اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ عبادت خالصتاً اللہ کے لئے ہو عبادات میں سے کسی بھی قسم کو اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے نہ بجالائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ (البینہ:5)

انہیں صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کریں اس کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے یکطرف ہو کر۔

اس طرح اخلاص کا معنی یہ بھی ہے کہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کسی اور کی خاطر کسی اور کی خوشنودی کے لئے نہ ہو نبی □ ö نے فرمایا ہے:

فان الله حرم على النار من قال لا اله الا الله يبتغي بذلك وجه الله ۔ (بخاری و مسلم)

اللہ نے جہنم پر حرام کر دیا ہے اس شخص کو جو لا الہ الا اللہ صرف اللہ کی رضامندی کے لئے کہتا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے آپ نے فرمایا:

اسعد الناس بشفاعتي يوم القيامة من قال لا اله الا الله خالصا مخلصا من قلبه۔

قیامت کے دن میری شفاعت اس خوش نصیب کو حاصل ہو گی جس نے دل کے انتہائی اخلاص کے ساتھ لا اله الا الله کہا۔(بخاری)۔

7۔ **ساتویں شرط۔محبت۔**

مذکورہ تمام شرائط کی تکمیل کے ساتھ ساتھ ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ اس کلمہ کے ساتھ دلی محبت رکھے اور اس محبت کا اظہار زبان سے بھی کرے۔اللہ کا ارشاد ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ (البقرۃ165)

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ معبود بناتے ہیں ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے کرنی چاہیئے اور جو ایمان والے ہیں وہ اللہ سے شدید محبت رکھتے ہیں اگر ظالم لوگ دیکھ لیں۔جب عذاب تو کہے گے کہ تمام قوت اللہ کے پاس ہے اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

علامہ سلیمان بن سحمان رحمہ اللہ کہتے ہیں دیگر مسائل سے قبل میں لا الہ الا اللہ کا وہ معنی جو علماء نے بیان کیا ہے اور شیخ عبدالرحمن نے اس کلمہ کی جو شروط ذکر کی ہیں وہ بتلانا چاہتا ہوں یعنی کلمہ کا علم، عمل، اعتقاد کہ ان کے بغیر کوئی بھی شخص صحیح معنوں میں مسلمان نہیں کہلوا سکتا اسی طرح محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے بیان کردہ دس نواقض اسلام بھی بتلانا چاہتا ہوں کہ یہ دونوں باتیں یعنی کلمہ کا مکمل معنی اور اسلام کے نواقض ہی اصل بنیادی باتیں ہیں جن پر دیگر مسائل و احکام کا مدار ہے۔ (الدرر السنیۃ کتاب التوحید 2/349)

علامہ شیخ عبدالرحمن بن حسن آل شیخ کہتے ہیں مجھے اس بات سے اتفاق ہے کہ اکثر لوگ لا الہ الا اللہ زبان سے تو کہتے ہیں مگر اس کے معنی و مفہوم سے ناواقف ہیں لہٰذا آپ سات باتوں کو ہمیشہ مد نظر رکھیں جو اس کلمہ سے متعلق ہیں اور ان کے بغیر کوئی مسلمان کفر و نفاق سے محفوظ نہیں رہ سکتا جب تک کہ یہ سب باتیں اس میں نہ آجائیں اور پھر ان کے مطابق عمل نہ کر لے۔سات باتوں سے مراد ہے صدق دل سے کلمہ کا اقرار اس کلمہ کا علم اس پر عمل۔اعتقاد۔اطاعت۔قبول کرنا اور کلمہ سے محبت لہٰذا اس کلمہ کے بارے میں ایسا علم ضروری ہے جو جہالت کو ختم کر دے ایسا اخلاص چاہیئے جو شرک کا خاتمہ کرے ایسا صدق ضروری ہے جو کذب کی نفی کرے اتنا یقین ہو کہ جو ہر قسم کے شکوک و شبہات کو دل سے نکال دے اس کلمہ کی محبت دل میں اتنی ہو کہ جو نفرت کو فنا کر دے اتنی سچائی سے اس کلمہ کو قبول کرے کہ رد کرنے کا شائبہ تک نہ رہے۔

منافقین کی طرح نہ رہے کہ زبان سے کہتے ہیں مگر دل میں یقین نہیں ہے مشرکین مکہ کی طرح بھی نہ بنے کہ کلمہ کا معنی و مفہوم تو سمجھتے تھے مگر اس کلمہ کو قبول نہیں کرتے تھے اس طرح اس کلمہ کے مطالب کی ایسی اطاعت کرے جو اس کے

تقاضوں اور حقوق کو پورا کرے جو کہ صحیح اسلام کے لئے لازم وضروری ہے اب جو شخص ہماری بیان کردہ باتوں پر یقین کرے ان پر عمل کرلے تو وہ لا الہ الا اللہ کے معانی ومطالب کو سمجھنے میں ذراسی بھی تاخیر نہیں کرے گا اور پھر وہ دین پر عمل علی وجہ البصیرت کرے گا دین پر ثابت قدم رہے گا اور کبھی سیدھی راہ سے بھٹکے گا نہیں۔انشاء اللہ۔ (الدرر السینۃ کتاب التوحید 2/255)

دوسرے نمبر پر ارکان توحید ہیں یعنی لا الہ الا اللہ کے ارکان

رکن کی تعریف:۔ جس کے عدم سے شئی کا عدم لازم آتا ہے مگر رکن کے وجود سے شئی کا وجود ضروری نہیں ہے رکن اور شرط میں فرق یہ ہے کہ رکن عمل کے اندر ہوتا ہے اور اس پر عمل کے صحت کا مدار ہے جبکہ شرط عمل سے باہر ہوتا ہے اور اس پر عمل کی قبولیت وعدم قبولیت کی بنیاد ہوتی ہے رکن کی تعریف کے بعد ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کہ جس طرح نماز کے ارکان ہیں اور ان کے بغیر نماز نہیں جیسا کہ تکبیر تحریمہ ،فاتحہ ،سجدہ،رکوع،آخری تشہد،وغیرہ اسی طرح توحید کے بھی ارکان ہیں۔

پہلا رکن: کفر بالطاغوت

دوسرا رکن: صرف ایک اللہ پر ایمان لانا

اللہ کا یہ قول اس پر دلیل ہے۔

فَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ وَيُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰى (البقرہ:256)

جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا تو اس نے مضبوط کڑا تھام لیا مضبوط کڑے کو تھام لیا۔۔

کڑے سے مراد لا الہ الا اللہ یعنی توحید ہے۔

ایک صحیح حدیث ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من قال لا اله الا الله و كفر بما يعبد من دون الله فقد حرم ماله ودمه و حسابه على الله عزوجل۔

جس نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا اور اللہ کے علاوہ معبودوں کا انکار کر لیا تو اس کا مال،اسکی جان،محفوظ ہے اور (قیامت میں) اس کا حساب اللہ کے ہاں ہوگا۔(صحیح مسلم)

کفر بالطاغوت کا مطلب؟

کوئی بھی شخص اس وقت تک موحد نہیں کہلا سکتا جب تک وہ طاغوت کا انکار نہ کرے اور طاغوت کا انکار تبھی ممکن ہے جب انسان طاغوت کو پہچان لے کہ طاغوت ہے کیا چیز؟ لہٰذا ہم کچھ تفصیل کے ساتھ اسکی تعریف کر دیتے ہیں۔

لغت میں طاغوت طغیان سے مشتق ہے جس کا معنی ہے حد سے گذرنا جیسا کہ قرآن میں یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔

إِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاءُ حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ (الحاقہ 11)

جب پانی حد سے گذر گیا تو ہم نے تمہیں چلتی کشتی میں سوار کرایا۔

شریعت میں طاغوت ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو سرکشی کرے حدود فراموش بنے اللہ کے حقوق میں سے کسی حق کو اپنے لئے ثابت مانے یا اپنی طرف اسکی نسبت کرے اور خود کو اللہ کے برابر قرار دے (یا کسی چیز یا شخص کے لئے اللہ کے حقوق ثابت مانے یا اسے اللہ کے برابر و شریک قرار دے)

مزید وضاحت ہم اس طرح کریں گے کہ کوئی مخلوق تین امور میں سے کسی ایک کو اپنے لئے ثابت مانے وہ طاغوت ہے۔

1۔ کوئی مخلوق اپنے لئے کوئی ایسا فعل ثابت مانے یا اپنی طرف منسوب کرے جو اللہ کے افعال ہیں جیسے پیدا کرنا، رزق دینا، شریعت بنانا وغیرہ جو ان میں سے کسی کام کا دعوی کرے وہ طاغوت ہے۔

2۔ اللہ کی صفات میں سے کوئی صفت اپنے اندر موجود مانے جیسے علم غیب وغیرہ۔

3۔ کسی مخلوق کے لئے عبادت میں کوئی عبادت جیسے دعا، نذر، ذبح، قربانی، فیصلے، وغیرہ میں سے کوئی ایک قسم مانے تو یہ بھی طاغوت ہے یا ایسے کسی عمل پر خاموشی اختیار کرے اس سے بیزاری وبراءت کا اظہار نہ کرے۔

ان تینوں امور میں سے اگر کسی شخص نے ایک کو یا تینوں کو اپنی طرف منسوب کر لیا تو وہ طاغوت ہے

امام مالک رحمہ اللہ نے طاغوت کی تعریف اس طرح کی ہے۔

والطاغوت هو كل ما يعبد من دون الله عزوجل (ابن کثیر)

طاغوت ہر وہ چیز ہے جس کی عبادت کی جائے اللہ کے علاوہ۔

یہ تعریف جو امام مالک رحمہ اللہ نے کی ہے سب سے عمدہ تعریف ہے کہ اسمیں ماسوی اللہ جس چیز کی بھی عبادت کی جائے وہ شامل ہے ہر باطل معبود طاغوت ہے جیسے بت، قبر، مزار، پوجے جانے والے پتھر، درخت، اور وہ احکام جو اللہ کے حکم کے مقابلہ پر بنائے جائیں اور ان کے مطابق لوگ اپنے فیصلے کریں اس طرح وہ قاضی بھی طاغوت ہیں جو اللہ کے احکام کے مخالف احکام کے مطابق فیصلے کرتے ہیں شیطان اور جادوگر، کاہن ونجومی جو غیب کا دعوی کرتے ہیں سب طاغوت ہیں اس طرح

جو لوگ خود کو شریعت ساز سمجھتے ہیں حرام و حلال قرار دینے کا خود کو مجاز سمجھتے ہیں سب طاغوت ہیں ان کا انکار اور ان سے بیزاری وبراءت کا اعلان ضروری ہے یہی کفر بالطاغوت ہے۔

علامہ عبد اللہ بن عبد الرحمن ابابطین کہتے ہیں:

علماء کے اقوال سے یہ خلاصہ سامنے آتا ہے کہ لفظ طاغوت سے مراد اللہ کے علاوہ ہر معبود ہے اور ہر وہ شخص یا عمل بھی جو باطل کی طرف دعوت دے یا باطل کو مزین کر کے لوگوں کو دکھائے اسی طرح ہر وہ حاکم و قاضی جسے لوگوں نے احکام جاہلیت (یعنی اللہ و رسول ﷺ کے احکام کے علاوہ) کے احکام کے مطابق فیصلہ کرنے کیلئے مقرر کیا ہو اسی طرح کاہن، جادوگر بتوں کے محافظ و نگران جو لوگوں کو بت پرستی کی دعوت دیتے ہیں اور وہ مجاور جو مزارات کی عبادت کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں سب طاغوت ہیں (مجموعۃ التوحید: 1 / 183)۔

طاغوتوں کے سرغنہ

امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ طواغیت بہت سارے ہیں مگر ان کے سرغنہ پانچ ہیں

1۔ **شیطان جو غیر اللہ کی عبادت کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے۔**

اَلَمۡ اَعۡهَدۡ اِلَيۡكُمۡ يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا الشَّيۡطٰنَ‌ۚ اِنَّهٗ لَكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ (یٰسٓ:60)

اے اولادِ آدم کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ شیطان کی عبادت مت کرو یہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

2۔ **ظالم حکمران جو اللہ کے احکام کو بدلتا ہے فیصلے اپنی مرضی اور اپنے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق کرتا ہے۔**

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يَزۡعُمُوۡنَ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّتَحَاكَمُوۡۤا اِلَى الطَّاغُوۡتِ وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا بِهٖ (النساء :60)

کیا آپ (ﷺ) نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو بزعم خویش آپ پر نازل کردہ (شریعت) اور آپ سے پہلے نازل ہونے والی شریعتوں پر ایمان لائے ہیں (مگر ان کا حال یہ ہے کہ) وہ چاہتے ہیں کہ اپنے فیصلے طاغوت کے پاس لے جائیں حالانکہ انکو حکم کیا گیا ہے کہ وہ طاغوت کا انکار کریں۔

3۔ **جو اللہ کے نازل کردہ احکام کو چھوڑ کر مخلوق کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق فیصلے کرتے ہیں**

وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۤئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ (المائدہ:44)

جس نے اللہ کے نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کئے تو وہ لوگ کافر ہیں۔

شیخ کی مراد اس سے وہ قاضی و جج ہیں جو اللہ کے احکام کو بدل کر اپنے احکام نافذ کرنے والوں کی مرضی کے فیصلے کرتا ہے۔

4۔ **جو علم غیب کا دعوی کرتا ہے یا اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے علم غیب کا قائل ہو۔**

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا (الجن: 26)

(اللہ) عالم الغیب ہے کسی کو اپنے غیب پر غالب نہیں کرتا۔

5۔ **اللہ کے علاوہ جس کی پرستش کی جائے اور وہ اس پر راضی ہو۔**

وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّىْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ۔ (انبیاء۔29، مجموعۃ التوحید 1/15)

ان میں سے جس نے کہا کہ میں اللہ کے علاوہ معبود ہوں تو ایسے شخص کو ہم جہنم کی سزاء دیں گے ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ آیت ولا یشرك بعبادة ربه احداً (اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے) کے بارے میں فرماتے ہیں اس آیت کا مطلب اس طرح سمجھنا کہ اس سے مکمل فائدہ حاصل ہو یہ صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو توحید ربوبیت اور توحید الوھیت میں مکمل تمیز کر سکتا ہو اور اس بارے میں لوگوں کے ان عقائد سے بھی واقف ہو جو وہ طواغیت کے بارے میں رکھتے ہیں اسی طرح وہ ان طواغیت سے بھی باخبر ہو جو اللہ کی توحید ربوبیت میں خود کو شریک سمجھتے ہیں حالانکہ یہ شرک ایسا ہے جس تک مشرکین عرب بھی نہیں پہنچ سکے تھے اور ایسے شخص سے بھی واقف ہو جو خود تو طاغوت نہیں ہے مگر طاغوت کا تابع ہے اور ایسے شخص سے بھی واقفیت رکھتا ہو جو اپنے دین کے بارے میں شکوک میں مبتلا ہو اور محمد ﷺ کی شریعت اور نصاری کے دین میں فرق نہیں کر سکتا۔

جو شخص ان تمام باتوں کی معلومات رکھتا ہے وہی دراصل توحید کی حمایت اور شرک کی مذمت والی آیات کا مفہوم و مطلب اچھی طرح سمجھ سکتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی سمجھا سکتا ہے۔ (تاریخ نجد ص506)

طاغوت کا انکار کیسے کیا جائے؟

طاغوت کے انکار کی پانچ صورتیں ہیں۔

1۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ طاغوت کی عبادت باطل ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ

اس لئے کہ اللہ ہی حق ہے اور یہ لوگ جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو پکارتے ہیں وہ باطل ہے اللہ ہی سب سے بلند اور بڑا ہے۔ (حج۔62)

2۔ طاغوت کی عبادت چھوڑ دینا اور اس سے اجتناب کرنا۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ۔ (النحل:36)۔

ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (وہ ان سے کہے) اللہ کی عبادت کرو طاغوت سے اجتناب کرو۔

فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور۔ (الحج:62)

بتوں کی ناپاکی سے اجتناب کرو اور جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو۔

طاغوت کی عبادت اور بتوں کی پرستش یہی ہے کہ انہیں طاقت کا مالک مانا جائے اور ان سے مدد مانگی جائے ان کے لئے نذر و نیاز دیئے جائیں۔

ابن کثیر نے سورہ بقرہ کی آیت نمبر 256 کی تفسیر میں کہا ہے کہ اہل جاہلیت کا شرک یہی تھا۔

طاغوت کو چھوڑ دینے کی تین اقسام ہیں۔

1۔اعتقادی۔ 2۔قولی۔ 3۔فعلی۔

جب تک کوئی مسلمان ان تینوں طریقوں سے طاغوت کو نہیں چھوڑے گا تو وہ طاغوت کے چھوڑنے والوں میں شمار نہیں ہو گا اس لئے کہ منافقین کا وطیرہ یہ تھا کہ قولی اور فعلی طور پر طاغوت کو چھوڑ دیا تھا مگر اعتقادی طور پر نہیں چھوڑا تھا اسی طرح کچھ لوگ اعتقادی طور پر چھوڑ دیتے ہیں مگر قولی نہیں جس طرح کہ وہ لوگ جو غیر اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں۔

بعض لوگ اعتقاداً چھوڑ دیتے ہیں مگر فعلاً نہیں جیسے طاغوت کے سامنے سجدہ کرنے والے ان کے نام کی نذر نیاز دینے والے یا ان سے فیصلے کرانے والے یا ایسے لوگوں کے عقائد کو صحیح تسلیم کرنے والے بھی عملاً طاغوت کو چھوڑنے والوں میں شمار نہیں ہوں گے۔ لہٰذا جب تک ترک طاغوت کی مذکورہ تینوں صورتیں کسی میں موجود نہ ہوں اس وقت تک اسے تارک طاغوت نہیں سمجھا جائے گا۔ شیخ سلیمان بن عبداللہ نے ﴿الم تر الی الذین یزعمون ....﴾ آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان پر فرض ہے کہ وہ کتاب و سنت کے علاوہ کسی اور قانون کے مطابق کئے گئے فیصلوں کو چھوڑ دے اور خود بھی کبھی قرآن و سنت کے علاوہ کسی اور قانون کے پاس اپنے مقدمات نہ لے جائے اگر کوئی شخص اللہ و رسول کے قوانین کو چھوڑ کر دوسرے قوانین کی طرف اپنے معاملات لیجاتا ہے تو وہ مؤمن تو کیا مسلمان بھی نہیں ہے یہاں ایک بات بھی قابل توجہ ہے اور وہ یہ کہ جہاں اللہ نے ہمیں طاغوت کے انکار کا حکم دیا ہے اور اس سے اجتناب کی تاکید کی ہے وہاں ہمیں یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ ہم طاغوت کی طاغوطیت سے بھی خود کو بچائیں اور اللہ کے حقوق میں سے کوئی اور حق اسے نہ دیں۔ مثلاً اگر کوئی شے یا شخص اس وجہ سے طاغوت کہلاتا ہے کہ لوگ اس سے مرادیں مانگتے ہیں مصائب میں اس کے سامنے فریاد کرتے ہیں تو ہمیں چاہیئے کہ ہم اس سے مرادیں نہ مانگیں تکالیف میں اسے نہ پکاریں اور اگر کوئی اس وجہ سے طاغوت کہلاتا ہے کہ اس کے مقربین و متوسلین اس کے نام پر ذبیحہ و قربانی کرتے ہیں تو ہم پر لازم ہے کہ ہم اس کے نام پر ذبیحہ نہ کریں اس طرح

کہ اگر کوئی اس بناپر طاغوت ہے کہ لوگ اس کے پاس اپنے مقدمات اور فیصلے لیجاتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اس سے فیصلے نہ کرائیں۔امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہی وجہ ہے کہ کتاب اللہ کے بغیر اگر کوئی حکمران یا قاضی فیصلہ کرتا ہے تو اسے طاغوت کہاجاتا ہے
(مجموعۃ الفتاوی201/28)

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:ہر قوم کا طاغوت وہ ہے جس کے پاس وہ اپنے فیصلے لیجاتے ہیں(اور وہ اللہ ورسول کے احکام کے بغیر کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہو)،(اعلام الموقعین 1/40)

3۔طاغوت سے دشمنی۔

اللہ تعالی نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا قول بطور حکایت کے بیان کر کے فرمایاہے:

قَالَ اَفَرَاَيْتُمْ مَاكُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ اَنْتُمْ وَ اٰبَاؤُكُمُ الْاَ قْدَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّلِّيْ اِلَّارَبَّ الْعٰلَمِيْنَ
(الشعراء:75تا78)

(ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے) کہا کہ مجھے بتاؤ(انکی حقیقت)جنکی تم عبادت کرتے ہو تم بھی اور تمہارے باپ دادا بھی یہ(تمہارے معبود)میرے دشمن ہیں سوائے رب العلمین کے۔

4۔طاغوت سے نفرت۔

اللہ کاارشاد ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ اِبْرَاهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ كَفَرْنَابِكُمْ وَ بَدَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ اَبَداً حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللهِ وَحْدَهُ (الممتحنہ:4)

تمہارے لئے ابراہیم علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کی سیرت بہترین نمونہ ہے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم اور تمہارے ان معبودوں سے بیزار ہیں جنہیں تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو ہم تمہارے ان عقائد کاانکار کرتے ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان عداوت اور نفرت ظاہر ہو چکی جب تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان نہ لے آؤ۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَافِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوْا اللهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ۔ (النحل:36)

ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا(جو ان سے کہتا تھا) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔

اس آیت کی تفسیر میں الدرر السنیۃ میں لکھا ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر ایک شخص اللہ کی عبادت کرتا ہے اس سے محبت کرتا ہے اللہ کے پسندیدہ اُمور کو پسند کرتا ہے مگر مشرکین کے عقائد کی وجہ سے ان سے نفرت نہیں کرتا ان سے دشمنی نہیں رکھتا تو یہ شخص خود کو طاغوت سے اجتناب کرنے والا نہ سمجھے اور جب کوئی شخص طاغوت سے نہیں بچتا وہ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا لہٰذا کافر شمار ہو گا۔ اگر چہ سب سے زیادہ عبادت گذار ہو رات کو تہجد پڑھتا ہو دن کو روزے رکھتا ہو اسکی مثال ایسی ہے جیسا غسل جنابت کئے بغیر نماز پڑھ لی ہو یا سخت گرمی میں روزہ رکھ کر روزے کے دوران بدکاری کی ہو۔

5۔کافر سمجھنا۔

یعنی طاغوت اور طاغوت کی عبادت کرنے والے کو اور ہر اس شخص کو کافر سمجھنا جو کفریہ طریقے خود اختیار کرے یا دوسروں کو اسکی طرف دعوت دے۔

امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔اللہ نے ابن آدم پر سب سے پہلا کام جو فرض کیا ہے وہ ہے طاغوت کا انکار اور اللہ پر ایمان لانا جیسا کہ ارشاد ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ۔ (النحل:36)

ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا(جو ان سے کہتا تھا)اللہ کی عبادت کرو طاغوت سے بچو۔

طاغوت کے انکار کا مقصد یہ ہے کہ انسان غیر اللہ کی عبادت کو بالکل باطل سمجھے اسے چھوڑ دے اس سے نفرت کرے اور طاغوت کی عبادت کرنے والوں کو کافر سمجھے اور ان سے عداوت رکھے۔ اسی طرح یہ بھی فرماتے ہیں کہ انسان اس وقت تک مسلمان نہیں کہلا سکتا جب تک کہ وہ طاغوت کا انکار نہ کرے اس لئے کہ اللہ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى

جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا تو اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا(البقرہ۔256)۔(مجموعۃ التوحید ص14-5)۔

نیز دوسری جگہ فرماتے ہیں۔میرے بھائیو تمہیں اللہ کا واسطہ اپنے دین کی بنیاد کو تھام لو شروع سے آخر تک اور یہ بنیاد ہے لا الہ الا اللہ ۔اس کا معنی و مطلب سمجھو اس سے محبت رکھو اس کے ماننے والوں سے محبت رکھو انہیں اپنا بھائی بناؤ اگر چہ وہ تم سے دور ہی کیوں نہ ہوں طاغوت کا انکار کرو اس سے نفرت کرو طاغوت کے ماننے والوں سے نفرت کرو ان سے محبت کرنے والوں سے بھی نفرت کرو ان سے بھی نفرت کرو جو انکی حمایت کرتے ہیں یا ان کو کافر نہیں سمجھتے یا یہ کہتے ہیں کہ ہمارا ان کے کرتوتوں سے کیا واسطہ ؟یا یہ کہے کہ یہ میری ذمہ داری نہیں کہ میں طاغوت کے پیروکاروں سے دشمنی کروں۔ اگر کوئی ایسی بات کرتا ہے تو وہ اللہ کی بات کو جھٹلاتا ہے بلکہ اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے اس لئے کہ اللہ نے اس پر یہ ذمہ داری ڈالی ہے اس پر فرض کر دیا ہے کہ وہ طاغوت کا انکار کرے اس سے اور اس کے ماننے والوں سے نفرت اور بیزاری و براءت کا اعلان کرے اگر چہ وہ اس

کے بھائی یا اولاد ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا ان باتوں کو مضبوطی سے تھام لو تا کہ تم اللہ کے پاس جب جاؤ تو مشرک بن کے نہ جاؤ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اسلام پر موت دے اور ہمیں صالحین کے ساتھ یکجا کر دے۔(مجموعۃ التوحید۔ص 1 / 141)۔

2۔ دوسرا رکن۔ اللہ پر ایمان لانا۔

توحید کے ارکان میں سے دوسرا رکن ہے ایک اللہ پر ایمان لانا۔

اللہ پر ایمان کا مطلب ہے کہ ایک اور اکیلے اللہ پر ہر قسم کا یقین اور اس کو تمام افعال ربوبیت میں اسماء وصفات میں۔ عبادت کی تمام اقسام میں اکیلا ماننا اللہ پر ایمان کی تین قسمیں ہیں۔

1۔ اللہ کی ربوبیت پر ایمان لانا۔ یعنی اللہ کے ان افعال پر ایمان جو اس کی ربوبیت کے ساتھ خاص ہیں جیسے پیدا کرنا۔ رزق دینا۔ قانون وشریعت بنانا ان سب میں اللہ کو ایک ماننا ان میں کسی بھی شیئ کو اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے ثابت نہ ماننا۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ۔ (الروم:40)

اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں رزق دیا پھر مار دے گا پھر زندہ کر دے گا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو یہ کام کر سکے پاک ہے اللہ اور بلند ہے ان سب سے جنہیں یہ شریک کرتے ہیں۔

2۔ اللہ کے ناموں اور صفات پر ایمان لانا۔ یعنی جو صفات یا اسماء اللہ نے اپنے لئے بیان کئے ہیں یا، رسول اللہ ﷺ نے اس کے لئے بیان کی ہیں وہ ثابت ماننا بغیر کسی کیفیت، تعطیل، تحریف، اور تمثیل کے جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:

لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔(شوری:11)

اس (اللہ) کے مثل کوئی چیز نہیں وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

اس طرح اللہ کو اکیلا اور ایک ماننا ان اسماء اور صفات میں جو صرف اسی کے لئے لائق ہیں۔

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ (نمل:65)

کہہ دیجئے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اللہ کے علاوہ کوئی غیب نہیں جانتا۔

3۔ اللہ کی الوہیت پر ایمان لانا۔یعنی اس بات کا اقرار ویقین کہ ایک اکیلا اللہ ہی الہ اور معبود ہے اور جتنی بھی عبادات ہیں دعاء، رکوع، سجود، نذرونیاز وغیرہ صرف اسی کا حق ہے ان تمام عبادات میں اسکو اکیلا ماننا ان میں سے کوئی عمل کسی اور کے لئے نہ کرنا۔

وَاعۡبُدُوۡا اللّٰہَ وَلَا تُشۡرِکُوۡا بِہٖ شَیۡئًا(نساء:36)

اوراللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو۔

بندہ موحد کس طرح بنتا ہے؟

کوئی بھی شخص موحد نہیں بن سکتا جب تک کہ دو خوبیاں اسمیں نہ پائی جائیں۔

1۔اللہ کا حق پہچانے اور وہ حق صرف اسی اللہ کے لئے ثابت مانے اسمیں کسی اور کو شریک نہ کرے۔

اللہ کے حقوق تین ہیں۔

پہلا حق: وہ افعال جو اسکی ربوبیت کے ساتھ خاص ہیں صرف اس کے لئے ہیں اس میں کسی اور کو شریک کرنا کسی انسان کے لئے جائز نہیں ہے نہ کسی نبی کے لئے نہ فرشتے کے لئے۔

وہ افعال یہ ہیں کہ اللہ نے مخلوق کو انصاف سے پیدا کیا ہے انصاف سے رزق دے رہا ہے زندگی دیتا ہے موت اس کے اختیار میں ہے نفع، نقصان کا مالک ہے تمام امور کائنات کی تدبیر کرتا ہے احکام جاری کرتا ہے قوانین دیتا ہے ہر چیز کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہے۔

دوسرا حق: وہ اسماء وصفات جو اللہ کے لئے خاص ہیں ان میں کسی اور کو شریک نہ کیا جائے کسی انسان کے لئے جائز نہیں کہ یہ صفات کسی اور کے لئے ثابت مانے چاہے کوئی فرشتہ ہو یا کوئی نبی کسی میں اللہ کی صفات نہیں پائی جاسکتیں اللہ کے خاص اسماء یہ ہیں اللہ ،الاحد،الصمد،الرحمن،القدوس وغیرہ البتہ اللہ کے دیگر نام جیسے الکریم الرحیم الملک تو وہ اللہ اور بندوں میں مشترک مستعمل ہیں۔

اسی طرح جو صفات صرف اللہ کے ساتھ خاص ہیں وہ یہ ہیں کہ اللہ کی قدرت کاملہ کہ ہر چیز پر قادر ہے۔کمال العلم کہ ہر چیز تک اسکا علم محیط ہے علم غیب بھی اسکی خاص صفت ہے کمال السمع یعنی قریب وبعید سب سنتا ہے اسی طرح کی وہ صفات کمال جو اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے ثابت کرنا منع ہے۔

تیسرا حق: عبادات صرف اللہ کے لئے خاص ہیں یہ اللہ کا بندوں پر حق ہے کہ وہ عبادات صرف اللہ کے لئے کریں اور ان عبادات میں اسے اکیلا سمجھیں اس لئے کہ اسی اللہ نے انہیں پیدا کیا ہے انہیں رزق دیا ہے وہی ان کو موت اور مرنے کے بعد زندگی عطا کرے گا۔

اَللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ ثُمَّ رَزَقَكُمۡ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ يُحۡيِيۡكُمۡ هَلۡ مِنۡ شُرَكَآءِكُمۡ مَّنۡ يَّفۡعَلُ مِنۡ ذٰلِكُمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ۔(الروم:40)

اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں رزق دیا پھر تمہیں موت اور اس کے بعد زندگی دے گا کیا تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو ان میں سے کوئی کام کر سکے وہ اللہ پاک ہے اس سے جسے یہ لوگ شریک بناتے ہیں۔

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں:

میں نبی کریم ﷺ کیساتھ سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھا تھا آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا معاذ تم جانتے ہو کہ بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟ میں نے کہا اللہ اور اسکا رسول بہتر جانتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ وہ انہیں عذاب نہ دے جنہوں نے شرک نہیں کیا۔ میں نے کہا اللہ کے رسول میں لوگوں کو یہ خوشخبری نہ دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں ورنہ وہ اس پر بھروسہ کر کے بیٹھ رہیں گے (بخاری و مسلم)

جو عبادات اللہ کے لئے خاص ہیں وہ یہ ہیں دعاء، رکوع، سجدہ، محبت، تعظیم، خوف، امید، رجوع، (اللہ کی طرف) رغبت، ڈرنا، عاجزی، خشیت، بھروسہ، فریاد کرنا، مدد مانگنا، پناہ مانگنا، نذر، ذبح، طواف، فیصلے، احکام ماننا، ان کے علاوہ بھی عبادات کی جو اقسام ہیں وہ سب صرف اللہ کے لئے ہیں ان میں سے کوئی بھی عبادت کسی اور کے لئے جائز نہیں جو ایسا کرے گا وہ مشرک شمار ہو گا چاہے وہ نماز پڑھے روزے رکھے حج کرے اور خود کو مسلمان سمجھتا رہے۔

دوسری خوبی: جو موحد بننے کے لئے لازمی ہے: کہ اپنے عقیدے، قول و فعل سے اللہ کو ایک مانے اس لئے کہ اللہ کی عبادت اور توحید کی بنیاد دو ارکان پر ہے۔

پہلا رکن: کفر بالطاغوت اور دوسرا رکن ہے ایک اللہ پر ایمان۔

کفر بالطاغوت ارکان توحید میں سے پہلا رکن ہے اور یہ رکن تب ہی صحیح ہو گا جب بندہ اپنے عقیدے، عمل اور عبادت سے ثابت کر دیگا اس وقت طاغوت کا منکر شمار ہو گا اگر ان تینوں سے (عقیدہ، عبادت، عمل) میں سے کسی ایک میں بھی کمی کر دی تو طاغوت کا منکر نہیں کہلائے گا۔اس بات کی دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے۔

وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِىۡ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوۡلًا اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاجۡتَنِبُوا الطَّاغُوۡتَ (النحل:36)

ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو طاغوت سے اجتناب کرو۔

اور سابقہ سطور میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ طاغوت کا انکار عقیدہ، عبادت، اور عمل سے ہوتا ہے۔ اسکی مثال یہ ہے کہ اگر ایک انسان یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ صرف اللہ ہی قانون ساز ہے اور اس عقیدے کا زبان سے اقرار بھی کرتا ہو مگر عملی طور پر وہ کوئی کفریہ کام کرے یعنی ایسا عمل کرے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ اس نے کسی اور کو قانون ساز تسلیم کر لیا اور اسے بنانے کا اتنا اختیار دیدیا جتنا کہ صرف اللہ کا حق ہے تو ایسا شخص اس وقت مشرک شمار ہو گا یعنی اللہ کی ربوبیت میں شرک کر رہا ہے۔

امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ بات یاد رکھو کہ اللہ کے دین کا مطلب ہے دل سے اعتقاد محبت بغض اور زبان سے اقرار اور زبان کو کفریہ کلمات سے محفوظ رکھنا۔ اعضاء سے ارکان اسلام کو بجالانا اور ان افعال کو نہ کرنا جن سے کفر لازم آتا ہے اگر ان تینوں میں سے کسی ایک میں کمی ہو گئی تو انسان کافر اور مرتد ہو جاتا ہے صرف ایک اللہ پر ایمان لانا ارکان توحید میں سے دوسرا رکن ہے مگر یہ رکن اس وقت تک مکمل نہیں ہو گا جب تک بندہ اپنے رب پر اعتقادی، قولی اور فعلی ایمان نہ لائے جب یہ سب کرے گا تو تب مومن شمار ہو گا اگر ان تینوں لازمی امور میں سے کوئی ایک بھی کم ہو تو بندہ مومن شمار نہیں ہو گا۔ (الدرر السنیۃ کتاب الحکم المرتد 8/87)

اس بارے میں امام آجری نے اپنی کتاب: الشریعہ میں باب باندھ کر لکھا ہے۔ باب القول .... کہ ایمان دل کی تصدیق زبان سے اقرار اور اعضاء سے عمل کرنے کا نام ہے اور انسان اس وقت مومن کہلا سکتا ہے جب اس میں یہ تینوں خوبیاں جمع ہو جائیں لہٰذا کوئی بھی انسان دو امور کی وجہ سے موحد کہلا سکتا ہے۔

1۔ اللہ کا حق پہچان لے (یہ حقوق ہم پہلے بیان کر چکے ہیں)۔

2۔ عقیدہ، قول اور عمل سے اللہ کو ایک مانے ہم یہ بھی واضح کر چکے ہیں کہ اعتقاد، قول اور عمل سے اللہ کی عبادت کی کیفیت کیا ہے؟ یعنی یہ کہ انسان میں کفر بالطاغوت اور ایمان باللہ کی تمام شرائط مکمل طور پر پائی جائیں۔

امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اپنے رسالہ کشف الشبہات میں فرماتے ہیں اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ توحید اعتقاد، قول اور عمل کا نام ہے اگر ان میں سے ایک بھی کم ہو تو انسان مسلمان نہیں کہلائے گا۔

نیز فرماتے ہیں کہ امت میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ توحید کے لئے ضروری ہے کہ وہ دل سے ہو یعنی اس سے مراد علم ہے زبان سے یعنی اقرار اور عمل سے یعنی اوامر و نواہی کا نفاذ اعضاء سے اگر ان تینوں میں سے کسی ایک میں کمی آگئی تو آدمی مسلمان نہیں کہلائے گا اگر توحید کا اقرار کرتا ہے مگر اس پر عمل نہیں کرتا تو وہ کافر ہے فرعون و ابلیس کی طرح۔ اور اگر ظاہری طور پر توحید پر عمل کرتا ہے اور دل میں اسکا اعتقاد نہیں رکھتا تو وہ پکا منافق ہے اور کافر سے بھی بدتر ہے۔ (الدرر السنیۃ 2/124)

شیخ عبداللہ بن عبدالرحمن ابابطین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جب مسلمان اس کلمہ کی عظمت کو پہچان لے اور اس کے اقرار سے جو پابندیاں اس پر عائد ہوتی ہیں انہیں بھی جان لے تو اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ دل میں اس پر عقیدہ رکھے، زبان سے اقرار کرے اعضاء سے عمل کرے اگر ان تینوں میں سے کوئی بھی کم ہو تو آدمی مسلمان نہیں کہلائے گا اگر آدمی مسلمان بن جائے اور ارکان پر عمل بھی کرے مگر پھر اس سے کوئی عمل قول یا اعتقاد اس طرح کا سرزد ہو جائے جو ان کے منافی ہو تو یہ سب کچھ اسے فائدہ نہیں دے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے ان لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا جنھوں نے غزوہ نبوت کے بارے میں نازیبا کلمات منہ سے نکالے تھے۔

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ (توبہ:66)

بہانے مت بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔

دوسروں کے بارے میں فرمایا:

وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ (توبہ:73)

انہوں نے کفریہ بات کی ہے اور اسلام لانے کے بعد کفر کیا ہے۔(مجموعۃ التوحید الرسالۃ الثامنۃ)

سلیمان بن سحمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا الہ الا اللہ کی گواہی میں ضروری ہے کہ دل سے اعتقاد زبان سے اقرار اور اعضاء سے عمل ہو اگر ان میں سے کسی ایک کی بھی کمی ہوئی تو آدمی مسلمان نہیں رہے گا جب آدمی مسلمان ہو ارکان پر عمل پیرا ہو اور پھر اس سے کوئی ایسا عمل، قول، یا اعتقادی کام سرزد ہو جائے جو اس اقرار کے منافی ہو تو صرف لا الہ الا اللہ کا اقرار کوئی فائدہ نہیں دے گا قرآن و سنت اور ائمہ کے اقوال میں اس بات پر بے شمار دلائل ہیں۔(الدرر السنیۃ 2/350)

علامہ عبد الرحمن بن حسن کہتے ہیں:

فقہاء نے مرتد کے حکم کے بارے کہا ہے کہ آدمی اگرچہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کا اقرار کر رہا ہو روزے رکھتا ہو نماز پڑھتا ہو صدقات دیتا ہو مگر کوئی ایک قول یا عمل اسکو مرتد (کافر) بنا دیتا ہے اور اس کے تمام اعمال باطل ہو جاتے ہیں خاص کر اس صورت میں کہ اگر وہ اس حالت پر مر گیا البتہ اگر مرنے سے پہلے کسی نے توبہ کر لی تو اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔(الدرر السنیۃ:11/586)

نواقض توحید

یعنی لا الہ الا اللہ کے منافی امور

نواقض کہتے ہیں کسی عمل کو خراب، فاسد، باطل کرنے والے امور عمل، قول کو۔ ہر مسلمان موحد پر اسی طرح لازم ہے کہ وہ ایسے اعمال و اقوال اور امور سے واقف ہو جو توحید کو فاسد یا باطل کرنے والے ہیں جس طرح کہ نماز کو باطل کرنے والے اعمال سے ایک نمازی کو واقف ہونا چاہیئے جس طرح بعض اعمال جیسے کھانا پینا ہنسنا نماز کو باطل کر دیتے ہیں اسی طرح توحید کو باطل کرنے والے بھی کچھ اعمال ہیں جب کوئی موحد ان میں سے کسی کا مرتکب ہوتا ہے تو اسکی توحید باطل ہو جاتی ہے وہ مشرک کافر بن جاتا ہے۔

توحید کے نواقض مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔

وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

(اے محمد ﷺ) آپ کو اور آپ سے پہلے والے (انبیاء کو) وحی کی گئی تھی کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور تم نقصان اٹھانے والے ہو گے۔ (الزمر: 65)

2۔ اپنے اور اللہ کے درمیان واسطے بنانا ان کو سفارشی بنانا ان پر بھروسہ کرنا۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَاللّٰهِ۔

یہ لوگ اللہ کے علاوہ ایسوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نقصان دے سکتے ہیں نہ فائدہ۔ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ (یونس: 18)

یہی حال و حکم ان لوگوں کا بھی ہے جو قبروں اور مزارات پر حاضریاں دیتے ہیں وہاں وہ عبادات بجالاتے ہیں جو صرف اللہ کے لئے لائق ہیں جیسے دعا، نذر، ذبح فریاد کرنا، قبروں کے گرد طواف کرنا یہ سب کام وہ اس امید پر کرتے ہیں کہ یہ قبروں اور مزاروں والے اللہ کے ہاں ان کی شفاعت کریں گے

3۔ جو شخص مشرکوں کو کافر نہیں سمجھتا یا ان کے کفر میں شک کرتا ہے یا ان کے مذہب کو صحیح سمجھتا ہے تو یہ شخص کافر ہے شک کا مطلب یہاں یہ ہے کہ کوئی مسلمان اس شخص کے کافر ہونے میں شک کرے جسے امت محمدیہ نے بالاتفاق کافر قرار دیا ہو جیسے عیسائی، مشرکین وغیرہ۔

مشرکین سے مراد دور جاہلیت کے مشرکین بھی مراد ہیں جو خود کو مشرک ہی قرار دیتے تھے اور موجودہ دور کے مشرک بھی مراد ہیں جو دعوی تو اسلام اور ایمان کا کرتے ہیں مگر اللہ کا حق غیروں کو دیتے ہیں۔

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ شرک چند مخصوص چیزوں کا نام نہیں بلکہ شرک یہ ہے کہ اللہ کے لئے جو اعمال و صفات خاص ہیں وہ کسی اور کیلئے ماننا اُسے آپ چاہیں تو جاہلیت کا نام دیدیں یا کوئی سا بھی نام رکھ لیں۔ (الدرء النضیہ ضمن الرسائل السلفیہ ص18)۔

4۔ جس نے رسول اللہ ﷺ کے دین میں سے کسی ثواب یا عذاب کا مذاق اڑایا۔

قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ۔

(اے محمد ﷺ) ان سے کہہ دیجئے کیا اللہ یا اس کی نشانیوں اور اس کے رسول ﷺ کا تم مذاق اڑاتے ہو؟ بہانے مت بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔ (توبہ:66)

5۔ جادو۔ اس میں وہ سارے اعمال، تعویذات شامل ہیں جو دو افراد یعنی میاں بیوی میں نفرت یا جدائی پیدا کرتے ہوں۔ یا ایسے تعویذ گنڈے جو دو افراد میں محبت پیدا کرنے کے لئے کئے جاتے ہیں یہ سب اعمال جادو میں شمار ہوتے ہیں یہ شرکیہ اعمال ہیں اس لئے کہ ان کو نفع و نقصان کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے اور اللہ کے علاوہ کسی اور سے نفع یا نقصان کی توقع رکھنا شرک و کفر ہے۔

وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ (بقرہ:102)

وہ (ہاروت ماروت) کسی کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم فتنہ ہیں تم کفر مت کرو۔

6۔ مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی مدد کرنا۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۔(مائدہ:51)

جس نے تم میں سے ان کافروں سے دوستی کی وہ انہی میں سے ہو گا۔ اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔ (مجموعۃ التوحید)۔

7۔ بت یا کسی اور غیر اللہ کی قسم کھانا یا لوگوں کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق حکومت چلانا یا عمل کرنا۔

امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اللہ کا دین دلی اعتقاد محبت و نفرت اور زبان سے اقرار کفر سے انکار اعضاء سے عمل کفریہ اعمال کے ترک کا نام ہے اگر ان میں سے کوئی ایک بھی کم ہو تو آدمی کافر و مرتد بن جائے گا۔ (الدرر السنیۃ 8/81)

اپنے رسالہ کشف الشبہات میں لکھتے ہیں جب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ منافقین نبی ﷺ کے ساتھ جہاد میں بھی شریک ہوتے تھے مگر ایک کفریہ کلمہ کی وجہ سے کافر قرار پائے حالانکہ انہوں نے مزاح میں منہ سے ایسا کلمہ نکالا تھا تو جو شخص کفریہ باتیں کرتا ہے یا کسی مالی یا دیگر منفعت کی خاطر کفریہ عمل کرتا ہے یا کسی کو خوش کرنے کے لئے ایسی بات کرتا ہے تو منافقین کی باتوں کی بنسبت یہ زیادہ مزاح کرنے والا ہے (لہٰذا اس کے بارے میں حکم کیا ہونا چاہیئے یہ ہر مسلمان اچھی طرح سمجھ سکتا ہے)۔

8۔ کوئی بندہ محبت میں اللہ کے ساتھ شریک یا ساجھی بنائے (یعنی اللہ کے ساتھ ساتھ کسی اور کے ساتھ بھی محبت رکھے) امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اللہ کے ہاں سب سے بڑا گناہ شرک ہے اور شرک یہ ہے کہ اللہ سے محبت میں کسی اور کو شریک کیا جائے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے علاوہ شریک بناتے ہیں اور ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے کی جاتی ہے اور مومن اللہ سے شدید محبت کرنے والے ہیں (الجواب الکافی۔ البقرہ:165))

توحید اور لا الہ الا اللہ کے معنی سے متعلق

محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کے ارشادات

امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ لا الہ الا اللہ کے معنی کے بارے میں فرماتے ہیں لا الہ الا اللہ ایک بلند رتبہ اور قابل احترام کلمہ ہے جس نے اسے تھام لیا وہ محفوظ رہا جس نے اسے اپنا لیا وہ نجات پا گیا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

من قال لا اله الا الله وكفر بما يعبد من دون الله حرم ماله ودمه وحسابه على الله عزوجل

جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا اور اللہ کے علاوہ معبودوں کا انکار کر لیا تو اس کا مال اور اس کی جان محفوظ ہو گئی۔ (رواہ مسلم)۔

حدیث مذکور اس بات کی وضاحت کر رہی ہے کہ ایک لا الہ کا لفظ ہے اور ایک اس کا معنی ہے لیکن اس بارے میں لوگ تین فرقوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔

1۔ وہ فرقہ ہے جنھوں نے زبان سے کلمہ ادا کیا اور اسے ثابت و حق مانا اور یہ بھی جان لیا کہ اس کا ایک معنی ہے اس معنی پر عمل کر لیا اس طرح کلمہ کے نواقض ہیں ان نواقض سے اجتناب کیا۔

2۔ دوسرا فرقہ وہ ہے جس نے ظاہری طور پر اس کلمہ کا اقرار کیا اپنے آپ کو ظاہری اور قولی طور پر اس کے مطابق بنایا مگر دل میں کفر اور شرک چھپائے رکھا۔

3۔ تیسرا فرقہ وہ ہے جس نے اس کا اقرار کیا مگر اس کے معنی پر عمل نہ کیا بلکہ اس کے برعکس عمل کیا یہ لوگ وہ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔

الذين ضل سعيهم في الحياة الدنيا وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا۔

یہ وہی لوگ ہیں جن کی کوششیں دنیا میں برباد ہوئیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

پہلا فرقہ ناجیہ ہے وہی حقیقی مؤمن ہیں دوسرا فرقہ منافقین کا ہے تیسرا فرقہ مشرکین کا ہے۔

لا الہ الا اللہ ایک قلعہ ہے مگر ان لوگوں نے اس پر جھوٹ کا منجنیق نصب کر رکھا ہے اس قلعہ کو برباد کرنے کے لئے پتھر مارتے ہیں تو اس قلعہ میں دشمن داخل ہو گئے ہیں جس نے ان سے معنی چھین لئے ہیں اور صرف صورت کے ساتھ انہیں چھوڑ دیا ہے جبکہ حدیث شریف میں آتا ہے:

ان اللہ لا ینظر الی صورکم وابدانکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم۔

اللہ تمہاری صورتوں اور جسموں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔

ان لوگوں نے لا الہ الا اللہ کا معنی چھوڑ دیا ہے تو ان کے پاس صرف زبان کی اچھی ادائیگی اور حروف کا رٹہ رہ گیا ہے مگر جس طرح آگ کا بار بار تذکرہ کبھی کسی چیز کو جلا نہیں سکتا اور پانی کا صرف ذکر کسی چیز کو ڈبو نہیں سکتا روٹی کا تذکرہ پیٹ نہیں بھر سکتا تلوار کے ذکر سے کوئی چیز کاٹی نہیں جا سکتی اسی طرح قلعے کا صرف تذکرہ تحفظ فراہم نہیں کر سکتا اسی طرح لا الہ الا اللہ میں قول چھلکا ہے اور معنی مغز ہے۔ قول سیپی ہے اور معنی موتی ہے۔ جب مغز نہ ہو تو صرف چھلکا کس کام کا؟ جب موتی نہ ہو تو سیپی کس فائدے کی؟ لا الہ الا اللہ اپنے معنی کے ساتھ ہو تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے جسم کے ساتھ روح اور جسم روح کے بغیر بیکار ہے اسی طرح اس کلمہ کا فائدہ اس کے معنی کے بغیر نہیں ہے اللہ کی صفت فضل ہے تو انہوں نے اس کلمہ کے ظاہری صورت اور معنی سمیت اپنا لیا اس کی صورت سے اپنے ظاہر کو مزین کیا اقرار کر کے اور اپنے باطن کو اس کو معنی سے آراستہ کر لیا تصدیق کر کے یہ لوگ علماء فضل کہلاتے ہیں۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

اللہ نے گواہی دی کہ اس کے علاوہ کوئی الہ نہیں فرشتوں اور علم والوں نے (بھی گواہی دی) وہ اللہ انصاف پر قائم ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ غالب اور حکمت والا ہے۔ (آل عمران:18)

(عدل کا لفظ ثواب و عذاب کے لحاظ سے فضل کے مقابلہ پر استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ایک عربی شاعر نے کہا ہے۔

فان یثبنا فمحض الفضل .... وان یعذبنا فبمحض العدل۔

اگر اللہ ہمیں ثواب دے گا تو یہ صرف اپنے فضل کی بنیاد پر ہوگا........اور اگر عذاب کرے گا تو یہ اس کا عدل ہے۔

جہاں تک اللہ کے عدل کی بات ہے تو اس میں لفظ کو تو لے لیا مگر معنی کو چھوڑ دیا ہے اپنے ظاہر کو اقرار سے مزین کر لیا اور باطن کو کفر سے تاریک کر لیا (اس لئے کہ) انہوں نے خیر و شر کا اعتقاد ان کے بارے میں رکھا جن کے اختیار میں یہ دونوں نہیں لہٰذا ان کے دل سیاہ اور تاریک ہیں اللہ نے ان کو ایسی صلاحیت نہیں دی جس کے ذریعے سے یہ حق و باطل کو پہچان سکیں قیامت میں بھی یہ لوگ اپنے کفر کے اندھیروں میں رہیں گے۔

ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ (البقرہ:17)

اللہ نے ان کا نور چھین لیا ہے انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا ہے جہاں انھیں کچھ نظر نہیں آتا۔

جو شخص کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھتا ہے اور پرستش اپنی خواہش اور اپنے مالک کی کرتا ہے تو وہ قیامت کے دن اللہ کو کیا جواب دے گا؟

اَفَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ (الجاثیہ:23)

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

مال و دولت کا پجاری ہلاک ہو جائے اگر اسے ملتا رہتا ہے تو خوش ورنہ ناراض ہوتا ہے (رواہ البخاری)

اگر کوئی شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے مگر یہ صرف اسکی زبان تک محدود ہے تو اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا ایسا شخص منافق شمار ہو گا۔ اور اگر (اقرار کے ساتھ) دل میں اس کلمہ کو جگہ دی تو یہ شخص مؤمن کہلائے گا لہٰذا ہر شخص کو چاہیئے کہ وہ دلی طور پر مؤمن بنے صرف زبان کا اقراری نہ ہو ورنہ قیامت کے دن یہی کلمہ مخالفت میں گواہی دے گا کہ اللہ میں اس شخص کے پاس اتنے سالوں تک رہا مگر اس نے میرے حق کا اعتراف کیا اور نہ ہی میری حرمت کا خیال رکھا جیسا رکھنا چاہیے تھا۔ گویا یہ کلمہ کسی کے حق میں اور کسی کی مخالفت میں گواہی دے گا۔

فضل: لوگوں کے احترام کا گواہ بن کر انہیں جنت میں داخل کرے گا اور عدل ان کے جرائم کا گواہ بن کر انہیں جہنم تک پہنچائے گا۔

فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَ فَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ (شوریٰ:7)

ایک گروہ جنت میں اور ایک بھڑکتی آگ میں ہو گا۔

لا الہ الا اللہ خوش بختی کا پودا ہے اگر کسی نے اسے تصدیق کی کیاری میں لگایا اور اسے اخلاص کا پانی دیا عمل صالح سے اس کی دیکھ بھال کی تو اس کی جڑیں مضبوط ہوں گی اسکا تنہ طاقت ور ہو گا اس کے پتے سبز ہوں گے اسکے پھل بھرپور ہوں گے بلکہ کئی گنا ہوں گے۔

تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا (ابراہیم:25)

اپنا پھل ہر وقت دے رہا ہے اپنے رب کے حکم سے۔

اور اگر کسی نے یہ درخت تکذیب و نافرمانی کی کیاری میں اگایا اور اسے نفاق اور ریا کا پانی دیا۔ اس کی دیکھ بھال اعمال سیئہ و اقوال قبیحہ سے کرتا رہا اس پر گناہوں کی بارش برساتا رہا اس کو بے پروائی کی ہوا دیتا رہا تو اس کے پھل گر جائیں گے اس کے پتے جھڑ جائیں گے اس کا تنہ کمزور اور اس کی جڑیں ٹوٹ جائیں گی اس پر گناہوں کی آندھی آجائے گی اور اس درخت کو مکمل طور پر تباہ کر دے گی۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَاۗءً مَّنْثُوْرًا (الفرقان:23)

ہم ان کے اعمال کی طرف بڑھیں گے جو بھی عمل ہو گا اور انہیں اڑتی ہوئی دھول بنا دیں گے۔

اگر کوئی مسلمان اس کلمہ سے متعلق ان تمام گذشتہ باتوں کو مد نظر رکھتا ہے تو اس کے لئے لازمی ہے کہ بقیہ ارکان اسلام کو بھی مکمل طور پر اپنائے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے:

بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لا اله الا الله و ان محمدا رسول الله و اقام الصلاة و ایتاء الزکاة و صوم رمضان و حج البیت الحرام من استطاع الیه سبیلا ومن کفر فان الله غنی عن العلمین ۔

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے لا الہ الا اللہ محمد ارسول اللہ کی گواہی نماز قائم کرنا، زکاۃ دینا رمضان کے روزے اور استطاعت ہو تو حج بیت اللہ جس نے انکار کیا تو اللہ تمام عالم سے بے پرواہ ہے۔(الدرر السنیۃ:112/2)۔

لا الہ الا اللہ۔ قول و عمل

اللہ نے انسان کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اس پر اطاعت لازم قرار دی ہے ان عبادات میں سے پہلے نمبر پر لا الہ الا اللہ کو قولا و عملا سمجھنا ہے اس بارے میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران:103)

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو سب مل کر اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (الشوری:13)

تمہارے لئے (اللہ نے) دین میں سے وہ شریعت بنائی ہے جسکی تاکید نوح علیہ السلام کو کی تھی اور جسکی وحی آپ ﷺ کو کی ہے اور جس کی تاکید ہم نے ابراہیم علیہ السلام، موسی علیہ السلام، عیسی علیہ السلام کو کی تھی کہ دین کو قائم کرو اسمیں تفرقہ مت ڈالو۔

اللہ نے اپنے بندوں کو جس بات کی تاکید کی ہے وہ کلمہ توحید ہے جو کفر و اسلام میں فرق کرنے والا ہے۔ کلمہ توحید سے جہالت یا بغاوت یا عناد لوگوں میں تفرقہ کا سبب ہے ان خرابیوں کو ختم کر کے امت کو متحد رکھنے کا ذریعہ صرف یہی کلمہ ہے۔

اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ۔

کہ دین کو قائم کرو اس میں تفرقہ مت ڈالو۔

اور

قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ

(یوسف:108)

(اے محمد ﷺ) کہہ دیجئے یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بصیرت کی بنیاد پر بلا رہا ہوں اور میرے متبعین بھی (ایسا ہی کرتے ہیں) اور اللہ کی ذات پاک ہے میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

اب جو شخص توحید کو سمجھ جائے اس کا اقرار کرلے تو اس پر لازم ہے کہ اس توحید سے دلی محبت رکھے اس کی مدد کرے اپنے ہاتھ اور زبان سے جس طرح بھی ممکن ہو اس توحید کے مدد گاروں کی بھی مدد کرے جب کوئی بندہ شرک کو پہچان لے تو اس پر لازم ہے کہ اس سے دلی طور پر نفرت کرے تب وہ ان لوگوں کی لڑی میں پرویا ہوا شامل ہو گا جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔

اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رکھو آپس میں تفرقہ مت ڈالو۔

ہمارا خیال ہے کہ امت مسلمہ میں کسی کو بھی اس بات میں اختلاف نہیں ہے کہ توحید کے لئے دلی طور پر علم زبانی اقرار اور اوامر و نواہی کے نفاذ کے لئے عمل ضروری ہے اگر ان میں سے کوئی بھی چیز کم ہوئی تو آدمی مسلم نہیں کہلائے گا۔ اگر زبان سے توحید کا اقرار کرلے مگر عمل نہ کرے تو ایسا شخص کافر، توحید سے بغض رکھنے والا شمار ہو گا۔ جیسے فرعون اور ابلیس اور اگر توحید پر ظاہری عمل کرتا ہے مگر باطن میں اسکا اعتقاد نہیں رکھتا تو ایسا شخص منافق ہے کافر سے بھی زیادہ اسلام کے لئے نقصان دہ ہے۔

امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔ توحید کی دو قسمیں ہیں توحید ربوبیت توحید الوہیت۔

توحید ربوبیت: توحید ربوبیت کا اقرار مسلم و کافر دونوں کرتے ہیں کفر اور اسلام میں فرق توحید الوہیت کا ہے اس لئے ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان دونوں قسم کی توحید کو سمجھے اور یہ بھی یاد رکھے کہ کفار اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ ہی خالق رازق اور عالم کی تدبیر کرنے والا ہے۔

قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ یَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ یُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَمَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ (یونس:31)

(اے محمد ﷺ) اگر آپ ان (کافروں) سے پوچھیں کہ تمہیں آسمان و زمین سے رزق کون دیتا ہے یا کون سماعت و بصارت کا مالک ہے کون زندہ کو مردہ سے مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے کون امور کی تدبیر کرتا ہے؟ تو یہ لوگ فورا کہیں گے کہ اللہ۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم اس سے ڈرتے کیوں نہیں؟

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ

(اے محمد ﷺ) اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے اور چاند سورج کو تابع کیا ہے یہ (کافر) کہیں گے اللہ نے۔ یہ کس طرف جارہے ہیں۔(العنکبوت:61)

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ کافر بھی توحید ربوبیت کا اقرار کرتے تھے تو پھر کسی شخص کا یہ کہنا کہ خالق رازق تدبیر کرنے والا صرف اللہ ہے اس کو مسلمان نہیں بنا سکتا جب تک کہ لا الہ الا اللہ کے معنی پر عمل نہ کرے۔ اللہ کی یہ صفات یعنی خالق، رازق مدبر۔ ان کے کچھ خاص معانی ہیں جن کی وجہ سے یہ صفات صرف اللہ کے لئے ہی مختص ہو جاتی ہیں جب کوئی مسلمان کہتا ہے کہ اللہ خالق ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ وہی اکیلا اللہ ہے جس نے تمام مخلوق کو انصاف سے پیدا کیا ہے جب رازق کہا جائے تو اس کا معنی ہوگا جب اللہ نے مخلوق کو وجود بخشا تو ان کے لئے رزق بھی مہیا کر دیا۔ مدبر کا معنی ہوگا کہ وہ اللہ جو اپنی تدبیر سے آسمان سے زمین پر فرشتے اتارتا ہے اسی کی تدبیر سے وہ فرشتے آسمان پر چڑھتے ہیں وہ بادلوں کو اپنی تدبیر سے چلاتا ہے ہوائیں اس کی تدبیر کے ماتحت ہیں اسی طرح ساری مخلوق اس کی تدبیر کے مطابق اپنی اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے سرگرم عمل ہے۔ یہ صفات توحید ربوبیت سے متعلق ہیں ان کا اقرار کفار بھی کرتے ہیں اور توحید الوہیت کا معنی ہے کہ لا الہ الا اللہ کے معنی کو بھی اس طرح سمجھنا ہے جس طرح ربوبیت سے متعلق مذکورہ صفات کا مطلب ہے۔ لا الہ الا اللہ کا معنی ہے نفی و اثبات یعنی کہ ہر چیز سے الوہیت کی نفی کرکے صرف اللہ کے لئے ثابت کی جائے۔ الٰہ کا مطلب ہے ایسا معبود کہ اس کے بغیر کسی اور کے لئے عبادت جائز ہی نہ ہو اور ایسا معبود صرف اللہ اکیلا ہی ہے لہٰذا جو شخص اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے نذر مانے یا ذبح کرے تو یہ اس کی عبادت کہلائے گی اسی طرح دعا بھی غیر اللہ سے کرنا اسکی عبادت شمار ہوتی ہے اللہ کا فرمان ہے:

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ

اللہ کو چھوڑ کر ایسوں کو مت پکارو جو نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان اگر آپ نے ایسا کیا تو ظالموں میں سے ہوگے۔(یونس:106)

اسی طرح جس نے اپنے اور اللہ کے درمیان کسی کو واسطہ بنالیا اور اس کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا کہ وہ مجھے اللہ کے قریب کردے گا تو یہ بھی اس کی عبادت شمار ہوگی جیسے کہ اللہ نے کافروں کے بارے میں فرمایا ہے:

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ

(یونس:18)

یہ اللہ کو چھوڑ کر ایسوں کی عبادت کرتے ہیں جو انکو نہ نقصان دے سکتے ہیں نہ فائدہ اور کہتے ہیں کہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دے رہے ہو کہ (گویا) وہ نہیں جانتا آسمانوں یا زمینوں میں وہ اللہ پاک ہے ان سے جو یہ لوگ شریک کرتے ہیں۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ۔ (الزمر: 3)

باخبر رہو کہ اللہ کیلئے ہے خالص دین اور جو لوگ اللہ کے علاوہ دوست بناتے ہیں (کہتے ہیں) ہم انکی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے ہاں مرتبے میں قریب کر دیں اللہ ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں یہ اختلاف کرتے ہیں اللہ اس کو ہدایت نہیں کرتا جو جھوٹا اور ناشکرا ہو۔ (مجموعۃ الفتاوی الدرر السنیۃ 2/124)

مسلمان اور مشرک میں امتیازی فرق

امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مجھ سے بعض دوستوں نے مطالبہ کیا کہ وہ چار مسائل قلمبند کروں جن کی بناپر مسلم اور مشرک میں امتیاز کیا جا سکتا ہو ۔ میں ان کی بات کو رد نہ کر سکا لہٰذا وہ مسائل پیش خدمت ہیں۔

1۔ جس (اللہ) نے ہمیں پیدا کیا ہے اور ہماری صورتیں بنائی ہیں ہمیں بے کار نہیں چھوڑا بلکہ ہماری طرف رسول بھیجا جس کے پاس رب کی کتاب ہے۔

اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔ (مزمل:15)

ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا تم پر گواہ ہے جس طرح ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔

2۔ اللہ سبحانہ نے مخلوق کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ اس اکیلے کی عبادت کریں اور اس کے دین کو خالص رکھیں۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الزاریات:56)

میں نے جن اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

فرمایا:

وَمَا أُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَ ذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ (البینۃ:5)

ان کو صرف اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں اس کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے یکطرفہ ہو کر نماز قائم کریں زکاۃ دیں یہ قائم رہنے والا دین ہے۔

3۔ جب شرک کسی کی عبادت میں داخل ہو جائے تو عبادت باطل ہو جاتی ہے۔ درجہ قبولیت حاصل نہیں کرتی ہر گناہ کی معافی کی امید رکھی جاسکتی ہے سوائے شرک کے۔

وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

تیری طرف وحی کی گئی ہے اور تجھ سے پہلے انبیاء کو بھی کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے عمل برباد ہو جائیں گے اور تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گے۔ (الزمر:65)

نیز فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى اِثْمًا عَظِيْمًا (النساء:48)

اللہ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ بخشتا ہے جسے چاہے جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اس نے بہت بڑا گناہ کیا۔

اسی طرح فرماتا ہے:

اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ۔ (المائدہ:72)

بات یہ ہے کہ جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی ہے اسکا ٹھکانہ جہنم ہے (ایسے) ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

4۔ اگر کسی آدمی کا عمل صحیح ہے مگر خالص نہیں ہے تو بھی مقبول نہیں ہو گا اور اگر خالص ہے مگر صحیح نہیں تب بھی غیر مقبول ہے لہٰذا عمل کی قبولیت کے لئے ضروری ہے کہ وہ صحیح ہو یعنی شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہو اور خالص ہو یعنی صرف اللہ کے لئے ہو۔ اللہ تعالی نے اہل کتاب کے عبادت گذاروں کے بارے میں فرمایا ہے۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (کہف:103-104)

کہہ دیجئے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کیا میں تمہیں عملاً خسارے میں جانے والوں کے بارے میں بتاؤں؟ جنکی دنیا میں کوشش برباد گئی اور سمجھتے ہیں کہ وہ بہت بہترین عمل کر رہے ہیں۔

دوسری جگہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً (الغاشیہ:2)

بہت سے چہرے قیامت کے دن جھکے ہوئے ہوں گے (ایسے لوگوں کے) کہ عمل کرتے کرتے تھک جانے والے۔ بھڑکتی آگ میں داخل ہوں گے۔

یہ آیات صرف اہل کتاب یہودو نصاری کے لئے خاص نہیں ہیں بلکہ ہر وہ شخص جو کسی علم یا عمل میں کوشش کرتا ہے مگر وہ شریعت محمدی ﷺ کے موافق نہ ہو تو وہ اس عمل میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہے جنکا ذکر آیت میں ہو چکا۔ اگرچہ ایسا آدمی کتنا ہی ذہین فطین اور زہد و تقوی والا کیوں نہ ہو یہ سب کچھ عذاب سے نجات اور اخروی سعادت کے لئے کسی قسم کا فائدہ نہیں دیں گے۔ جب تک کہ کتاب و سنت کی پیروی نہ ہو جو شخص علمی فضیلت اور عملی مقام و مرتبہ رکھتا ہو مگر شریعت محمدی ﷺ کے مخالف ہو تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ (مجموعۃ الفتاوی)۔

دین کی بنیاد

امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اسلام کی بنیاد دو چیزوں پر ہے یعنی اسلام میں دو چیزوں کی بڑی اہمیت ہے۔

1۔ اکیلے اللہ کی عبادت کا حکم اور یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے اس بات پر دوسرے مسلمانوں کو بھی آمادہ کیا جائے یہ کام کرنے والوں سے دوستی رکھنا اور جو شخص اس (توحید) کو چھوڑ دے اسے کافر شمار کرنا۔

2۔ اللہ کی عبادت میں شرک کرنے سے لوگوں کو ڈرانا خبردار کرنا اس کام میں سختی کرنا شرک کرنے والوں سے دشمنی رکھنا اور انہیں کافر سمجھنا۔

ان دونوں اعمال کی مخالفت بھی لوگ کرتے ہیں اور یہ مخالفت کرنے والوں کی کئی اقسام ہیں سب سے زیادہ سخت مخالفین وہ ہیں جو تمام مطلوبہ امور کی مخالفت کرتے ہیں پھر درجہ بدرجہ ہیں مثلاً

1۔ ایسے لوگ جو ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں مگر شرک کا انکار نہیں کرتے اور نہ مشرکوں سے دشمنی رکھتے ہیں۔

2۔ شرک کرنے والوں سے دشمنی رکھتے ہیں مگر انہیں کافر نہیں سمجھتے۔

3۔ توحید سے محبت نہیں کرتے مگر اس سے نفرت بھی نہیں کرتے۔

4۔ شرک کرنے والوں کو کافر قرار دیتے ہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی خیال کرتے ہیں کہ یہ نیک لوگوں کو گالی دینے کے مترادف ہے۔

5۔ شرک سے نہ بغض نہ محبت رکھنے والے۔

6۔ شرک کو جانتے نہ اسکا انکار کرتے ہیں۔

7۔ توحید کو نہیں جانتے نہ اسکا انکار کرتے ہیں۔

8۔ سب سے زیادہ نقصان دہ بات یہ ہے کہ توحید پر عمل تو کیا جائے مگر یہ پتہ نہ ہو کہ توحید کیا ہے؟اور توحید کو چھوڑنے والوں سے بغض نہ رکھے اور ان کو کافر نہ سمجھے۔

9۔ جو شرک کو چھوڑ دے اس سے نفرت کرے اس کی قدر نہ جانے شرک کرنے والوں سے نہ دشمنی رکھے نہ انہیں کافر سمجھے تو یہ لوگ انبیاء کی لائی ہوئی شریعتوں کے مخالفین شمار ہوں گے۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

جس شخص پر اللہ نے یہ احسان کیا ہے کہ اسے مسلمان پیدا کیا یا اسلام لانے کی توفیق دی اور وہ شخص یہ جانتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی الہٰ نہیں ہے تو ایسا شخص یہ نہ سمجھے کہ صرف یہی باتیں حق ہیں میں انہیں اپناتا ہوں مگر میں مشرکین کے خلاف کچھ نہیں کہوں گا۔اس طرح کہنے والا یہ نہ سمجھے کہ وہ اسلام میں داخل ہو گیا ہے بلکہ مشرکین سے دشمنی اور بغض اور ان مشرکین سے محبت رکھنے والوں سے بغض و دشمنی لازمی ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد اوراس کے ساتھیوں سے کہا تھا۔

اِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَه. (الممتحنہ:4)

ہم تم سے اور اللہ کے علاوہ تمہارے معبودوں سے بری ہیں ہم تمہارے ان اعمال (اور عقائد) سے انکار کرتے ہیں ہمارے اور تمہارے درمیان نفرت اور دشمنی ظاہر ہو چکی ہمیشہ کے لئے جب تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ۔

دوسری جگہ فرمایا:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى

جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا تو اس نے مضبوط کڑا تھام لیا(البقرہ:256)

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ۔ (النحل:36)

ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا(وہ ان سے کہتا تھا)اللہ کی عبادت کرو طاغوت سے اجتناب کرو۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نبی ﷺ کی اتباع کرتا ہوں اور آپ ﷺ حق پر ہیں لیکن میں لات اور عزی یا ابو جہل وغیرہ کے بارے میں کچھ نہیں کہتا ان کے بارے میں کچھ کہنا یا کسی قسم کی رائے میرے لئے اہم نہیں یا میری ذمہ داری نہیں تو ایسے شخص کا اسلام صحیح نہیں ہے۔(مجموعۃ الفتاوی ص126)

رسالہ دوم

تاریخ سے واقفیت رکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ جب تاتاری یاسق کے مطابق حکومت کر رہے تھے اس وقت بھی امت مسلمہ اللہ عزوجل کی شریعت کے مطابق حکومت کر رہی تھی اس دور کے مسلمانوں نے ہمارے لئے توحید پر ثابت قدم رہنے کی عمدہ مثالیں چھوڑی ہیں وہ اس طرح کہ علماء اسلام نے تاتاریوں کی بنائی ہوئی شریعت کو ان مختلف طریقوں سے بے اثر بنا کر چھوڑا۔

1۔　اس شریعت کے بنانے اور نافذ کرنے والوں کو کافر قرار دیدیا۔

2۔　اس شریعت کے پاس اپنے فیصلے لیکر نہیں گئے۔

3۔　ان کی شریعت کو نہ پڑھانہ اس پر عمل کیا اپنے فیصلوں اور دیگر معاملات میں جیسا کہ فتاوی ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ابن کثیر رحمہ اللہ کی البدایہ والنہایہ اور تفسیر ابن کثیر میں اسکا ذکر موجود ہے اس طرح ان علماء نے اس خود ساختہ شریعت کے اثرات کو زائل کیا اور اسے ختم کرنے میں اہم کردار ادا کیا(ان حق پرست علماء نے اس پر خطر دور میں بھی ان ظالموں کی شریعت کو نہیں اپنایا بلکہ اسلامی شریعت پر کاربند رہے) مگر انتہائی افسوس کی بات ہے کہ موجودہ دور میں (اسلامی ممالک میں بھی)طاغوتی خود ساختہ قوانین کی حکمرانی ہے اگرچہ کچھ دینی جماعتیں اسلامی شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کر رہی ہیں مگر انہی جماعتوں کے کچھ افراد ان طاغوتی قوانین کو پڑھتے ہیں لاء کالجز میں داخلے لیتے ہیں وہاں کی ڈگریاں حاصل کر کے انہی طاغوتی عدالتوں میں وکیل اور جج بن کر خدمات انجام دے رہے ہیں یہ واضح تضاد ہے مسلمانوں کے کردار میں کہ ایک طرف غیر اسلامی قوانین کے خاتمے کے مطالبے کرتے ہیں اور دوسری طرف انہی قوانین کو اپنا رہے ہیں ان کی ترویج واشاعت کا سبب بن رہے ہیں یہ تو وکلاء اور ججوں کی بات ہے جہاں تک مسلمان عوام کی بات ہے وہ بھی اس طاغوتی نظام سے اپنے فیصلے کرانے اس کے پاس اپنے مقدمات لیجانے میں پیش پیش ہیں مسلمانوں کا یہ طرز عمل عقیدہ'لا الہ الا اللہ کے لئے بہت ہی نقصان دہ ہے جب کچھ مسلمانوں کا یہ نظریہ ہے کہ جب انسان کا عقیدہ ہو کہ حکم صرف اللہ کا ہی ہے مگر فیصلے شریعت کے علاوہ کسی اور قانون کے مطابق کرے یا کروائے تو ایسا انسان مسلمان تو ہے مگر نافرمان شمار ہو گا یہ بات کہکر گویا یہ لوگ توحید ربوبیت کا تو اقرار کر رہے ہیں یعنی اللہ کو اس کے افعال میں اکیلا مان رہے ہیں کہ اس کو ہی حاکم تسلیم کر رہے ہیں مگر توحید الوہیت کو مسلمان ہونے کے لئے شرط نہیں مان رہے (حالانکہ توحید ربوبیت کے ساتھ توحید الوہیت بھی مسلمان ہونے کے لئے شرط ہے)توحید الوہیت یہ ہے کہ بندہ اپنے عبادت کے امور صرف ایک اللہ کے لئے خاص کرے ان میں سے کوئی بھی عمل غیر اللہ کے لئے نہ ہو ان عبادتی امور میں تحاکم بھی شامل ہے ۔یعنی قانون کا نفاذ اور قانون کے مطابق فیصلہ کرنا کرانا یہ بھی اللہ کے حکم کے بغیر نہیں ہونا چاہیئے ورنہ شرک فی الالوہیت شمار ہو گا)۔

اس رسالہ میں ہم یہ واضح کریں گے کہ طاغوت سے فیصلے کرانا یعنی غیر اللہ کے احکام کو تسلیم کرنا طاغوت پر ایمان ہے شرک ہے اور اللہ کا انکار ہے جس طرح مردوں سے دعائیں مانگنا، غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا، نذر و نیاز کرنا یہ سب برابر ہیں ان میں کوئی فرق نہیں ہے (جو لوگ طاغوتی احکام کو مانتے ہیں ان کے مطابق فیصلے کرتے کراتے ہیں وہ لوگ دراصل) انبیاء کرام کے منہج اور طریقے کی مخالفت کر رہے ہیں اس لئے کہ یہ لوگ انبیاء کی لائی ہوئی توحید ربوبیت کو تو مانتے ہیں مگر انہی کی لائی ہوئی توحید الوہیت کو عملاً ترک کر چکے ہیں جبکہ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ توحید ربوبیت و الوہیت دونوں باہم لازم و ملزوم ہیں اب جو شخص اللہ تعالی کو ربوبیت میں اکیلا تسلیم کرتا ہو مگر الوہیت میں نہ کرے تو یہ شخص مسلمان نہیں ہے بہت سی آیات ہماری اس بات پر دلالت کرتی ہیں (جو ہم عنقریب پیش کریں گے انشاء اللہ)

طاغوتی احکام ماننا ہی طاغوت کو ماننا ہے

يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَ قَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ وَ يُرِيدُ الشَّيْطَنُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا (النساء:60)

ترجمہ: وہ چاہتے ہیں کہ اپنے فیصلے و مقدمات طاغوت کے پاس لے جائیں جبکہ انہیں حکم یہ دیا گیا ہے کہ طاغوت کا انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو بہت بڑی گمراہی میں مبتلا کر دے۔

آیت سے استدلال نمبر 1۔ جب بندوں کی عبادت کا بیان ہو اور اس کے بعد صنم یا طاغوت کا ذکر ہو پھر اس سے اجتناب اور اس سے انکار کا حکم ہو تو اس حکم کا ماننا بھی عبادت ہے اور ایسی عبادت کہ جو صرف ایک اللہ کے لئے کرنی ہے یہ کام غیر اللہ کے لئے کرنے والا شرک اکبر کا مرتکب شمار ہو گا۔

شیخ سلیمان بن عبد اللہ آل الشیخ فرماتے ہیں اس آیت میں دلیل ہے کہ طاغوت یعنی کتاب و سنت کے علاوہ کسی حکم کو ترک کرنا فرائض میں سے ہے اگر کوئی ایسے احکام کو تسلیم کرتا ہے تو وہ مؤمن بلکہ مسلمان بھی نہیں ہے۔

2۔ جس نے طاغوت کا حکم تسلیم کیا یا اپنا مطالبہ فیصلہ و مقدمہ طاغوت کے پاس لے گیا تو گویا اس نے طاغوت کا انکار نہ کیا اور جس نے طاغوت کا انکار نہیں کیا تو وہ اس پر ایمان لانے والا شمار ہو گا جیسا کہ علامہ محمد جمال الدین قاسمی ﴿يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَ قَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

طاغوت کے پاس اپنا فیصلہ لیجانا طاغوت کا حکم تسلیم کرنا اس پر ایمان لانا ہے اور طاغوت پر ایمان لانے والے کے کفر میں کوئی شک نہیں جس طرح کہ طاغوت کا انکار کرنے والا اللہ پر ایمان لانے والا شمار ہوتا ہے۔

شیخ عبد الرحمن بن حسن آل شیخ۔

فمن یکفر بالطاغوت........

اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ طاغوت کا حکم ماننا یا اس کے پاس مقدمات لیجانا اس پر ایمان لانا ہے۔(فتح المجید ص345)۔

3۔ يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا

والی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ شرک اکبر بہت بڑی گمراہی اور ہدایت سے محرومی ہے اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد یہ بھی ہے۔

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا (النساء:116)۔

جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ بڑی گمراہی میں جا پڑا۔

نیز فرمایا:

يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ

اللہ کے علاوہ ان کو پکارتا ہے جو نہ اسے نقصان پہنچاسکتے ہیں نہ فائدہ یہ بہت بڑی گمراہی ہے۔(الحج:12)۔

جس نے اللہ کے علاوہ کسی اور کو پکارا تو وہ گمراہ ہے اس لئے کہ غیر اللہ کو پکارنا شرک اکبر ہے۔ جس نے اللہ کی شریعت کے بجائے کسی اور قانون کو فیصلہ کرنے کا مجاز سمجھا وہ بھی بڑی گمراہی میں ہے اس لئے کہ غیر اللہ کے حکم کو تسلیم کرنا بھی شرک اکبر ہے۔

دوسری دلیل: اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ

حکم صرف اللہ کا ہے اس نے حکم دیا ہے کہ صرف اسی کو پکارو یہی صحیح دین ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (یوسف:40)۔

آیت سے استدلال: اللہ نے پہلے ایک بات ذکر کر دی کہ ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ حکم صرف اللہ کا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ احکام اور قوانین دینا صرف اللہ کا حق ہے یہ ربوبیت سے تعلق رکھتا ہے اس لئے کہ قانون سازی اور حکم صادر کرنا اللہ کے ان افعال میں سے جن کا تعلق ربوبیت سے ہے لہذا ربوبیت پر ایمان لانا فرض ہے اسی طرح توحید الوہیت پر بھی ایمان لازم ہے اللہ کے افعال میں سے یہ بھی ہے کہ وہ رزق دیتا ہے نفع نقصان کا اختیار رکھتا ہے اب عبادت یہ ہے کہ رزق فریاد دعا اسی ایک اللہ سے کی جائے اس لئے کہ وہی نفع و نقصان کا مالک ہے جب بندہ اس بات پر یقین کر لیتا ہے کہ وہی اللہ رازق اور فریاد قبول کرنے والا ہے اور پھر یہ بندہ پیروں مزاروں سے دعائیں اور فریادیں کرے تو اس کو اللہ کی ربوبیت کا اقرار اور اللہ کی صفات کا اقرار کوئی فائدہ نہیں دے گا اس لئے کہ اللہ کی ربوبیت کو اس نے تسلیم کر لیا مگر الوہیت میں شرک کیا کہ اس نے عبادت کی

ایک قسم دعا اور فریاد غیر اللہ کے لئے کرلی۔ اس طرح اگر کوئی شخص تسلیم کرتا ہے کہ اکیلا اللہ ہی حکم کرنے کا اختیار رکھتا ہے وہی احکام صادر کرنے کا مجاز ہے تو اس بندہ پر لازم ہے کہ وہ اللہ کی ربوبیت کو تسلیم کرے اور اگر مقدمات اور فیصلے غیر اللہ (یعنی کتاب و سنت کے علاوہ کسی اور قانون) کی طرف لے گیا تو یہ شرک فی الالوہیت کا مرتکب ہوا لہٰذا اب اس کو اللہ کے حاکم ہونے کا اقرار و یقین کوئی فائدہ نہیں دے گا اسلئے کہ کچھ افعال اللہ کے ہیں کچھ بندے کے ہیں اللہ کا کام حکم صادر کرنا اور قانون بنانا ہے اور بندے کا کام ہے ان احکام کی طرف فیصلے لیجانا۔ جس طرح اللہ کا کام ہے رزق دینا اور بندے کا کام ہے دعا کے ذریعے اس سے رزق طلب کرنا۔ اللہ رازق ہے لہٰذا اس سے دعا کرنا عبادت ہے اور جب یہ عبادت غیر اللہ کے لئے کی جائے تو یہ شرک اکبر ہوگا اور اللہ حاکم ہے لہٰذا اس کے حکم کے مطابق فیصلے کرنا کرانا عبادت ہے جب یہ عبادت غیر اللہ کے لئے کی جائے تو شرک اکبر ہوگا اس میں کوئی مسلمان فرق نہیں کرتا۔

اللہ کے فرمان ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾ میں یہی بات واضح کی گئی ہے اس آیت میں اللہ تعالی نے ربوبیت کا ذکر کیا اور اس کے فوراً بعد الوہیت کا۔ فرمایا:

> وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ (النحل:73)
>
> یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر اسکی عبادت کرتے ہیں جو زمین و آسمان میں رزق کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ ان کے پاس طاقت ہے۔

نیز فرمایا:

> وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّــــُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (یونس:18)
>
> اللہ کو چھوڑ کر اسکی عبادت کرتے ہیں جو انکو نقصان دے سکتا ہے نہ فائدہ (اے محمد ﷺ) ان سے کہہ دو کیا تم اللہ کو اس چیز کی خبر دے رہے ہو (گویا وہ) نہیں جانتا آسمانوں اور نہ زمینوں میں وہ پاک ہے ان کے شرک سے۔

اللہ کے افعال میں سے یہ ہے کہ وہ رزق دیتا ہے لہٰذا عبادت یہ ہے کہ اس سے طلب رزق کی دعا کی جائے۔

اللہ کے افعال میں سے یہ بھی ہے کہ وہ حکم کرتا ہے اور عبادت یہ ہے کہ حکم اسی کا مانا جائے صرف اس کی شریعت تسلیم کی جائے مگر موجودہ دور میں یہ بات لوگوں کو سمجھانا بہت مشکل کام ہے جیسا کہ شیخ عبدالرحمن السعدی آیت الم تر الی

الذین یزعمون........کے ضمن میں فرماتے ہیں جس نے غیر اللہ کے حکم کو تسلیم کیا اور اپنا مقدمہ و فیصلہ اللہ کے بغیر کسی اور قانون کے پاس لے گیا تو اس شخص نے اسی کو رب بنایا اور طاغوت کے پاس فیصلہ لے جانے والا شمار ہو گا۔

تیسری دلیل: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔ترجمہ:اے اللہ تیری ہی تعریفیں ہیں تو زمین آسمانوں کا اور جو کچھ ان میں ہے سب کا نور ہے تیری تعریف ہے تو ہی آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے سب کو تھامنے والا ہے تیری تعریف ہے تو حق ہے تیرا وعدہ حق ہے تیری ملاقات حق ہے جنت حق ہے جہنم حق ہے نبی سارے حق ہیں قیامت حق ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق ہے اے اللہ میں تیرے سامنے سر جھکاتا ہوں تجھ پر ایمان لاتا ہوں تجھ پر بھروسہ کرتا ہوں تیری طرف رجوع کرتا ہوں تیرے سہارے پر جنگ لڑتا ہوں **تیری طرف اپنا فیصلہ لاتا ہوں** تو بخش دے میرے اگلے پچھلے چھپے ظاہر سارے گناہ تو ہی میرا معبود ہے تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔(رواہ بخاری و مسلم)۔

اس دعا پر تبصرہ کرتے ہوئے ابن قیم جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد و ثنا اور عبودیت کے توسل سے دعا اور مغفرت طلب کی ہے۔ابن قیم رحمہ اللہ نے اس دعا میں تین امور کا تذکرہ کیا ہے اللہ کی حمد و ثنا کا وسیلہ اللہ کی عبودیت کا اقرار اور عبودیت توکل انابۃ اور تحاکم کو قرار دیا ہے۔پھر مغفرت طلب کی ہے یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ توکل اور انابۃ کی طرح تحاکم یعنی اللہ کے احکام کو نافذ کرنا،ماننا اس کے مطابق حکومت اور فیصلے کرنا بھی عبادت ہے۔(المدارج 32/1)

علماء کی آراء

علماء اسلام کی رائے ہے کہ طاغوت کا حکم ماننا طاغوت پر ایمان کہلاتا ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (النساء:65)

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے رب کی قسم یہ لوگ مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تجھے حکم نہ مان لیں اپنے اختلافی امور میں پھر آپ کے فیصلے سے اپنے دل میں کوئی خلش محسوس نہ کریں اور مکمل طور پر آپ کا فیصلہ تسلیم کر لیں۔

اس آیت کے بارے میں امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

جس شخص میں عقل ہو اللہ و آخرت پر ایمان ہو تو اس کو چاہیئے کہ یہ بات یقینی طور پر مان لے کہ اس آیت میں اللہ نے مسلمان سے عہد لیا ہے اسے تاکید کی ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات اور فیصلوں کو دل سے تسلیم کریں اب ہر مسلمان کو

چاہیئے کہ وہ اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھ لے کہ کیا اس کا دل نبی ﷺ کے احکامات پر مکمل طور پر مطمئن ہے یا اسکا دل دوسرے لوگوں (ائمہ، علماء، وغیرہ) کے اقوال کی طرف مائل ہے؟ یا نبی ﷺ کے بجائے دوسرے لوگوں کے احکامات کو تنازعات میں ماننے کے لئے آمادہ ہے؟ اگر آمادہ ہے تو آپ ﷺ کے علاوہ وہ کون ہے جس کے حکم کی طرف دل مائل ہے؟ مسلمان کو یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ اس آیت میں اللہ نے قسم کھا کر کہا ہے کہ آپ ﷺ کے فیصلے کو تسلیم نہ کرنے والا مؤمن نہیں ہے اور جب آدمی مؤمن نہیں ہوگا تو پھر وہ کافر ہوگا ورنہ تیسری کوئی صورت نہیں ہے۔ (الاحکام فی اصول الاحکام 1/97)

اسی آیت کی تشریح میں دوسرے مقام پر امام ابن حزم فرماتے ہیں اللہ نے قسم کھا کر وضاحت کے ساتھ فرمادیا کہ انسان اسی صورت میں مومن ہو سکتا ہے جب وہ نبی ﷺ کو ہر معاملے اور ہر قضیے میں فیصل و صاحب تحکیم مان لے اور یہ ماننا دل کی ایسی گہرائی اور خلوص سے ہو کہ پھر دل میں کسی قسم کی خلش وسوسہ یا تنگی محسوس نہ کرے اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ تسلیم کرنا اور حکم ماننا دو الگ الگ چیزیں ہیں تحکیم ہی وہ ایمان ہے جس کے علاوہ کسی اور چیز کو ایمان کہا ہی نہیں جاسکتا۔ (الفصل فی الملل والاھواء والنحل :3/235) نیز ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ نے مذکورہ آیت میں نبی ﷺ کی تحکیم (آپ ﷺ کے حکم اور فیصلہ کو ماننا اور ہر فیصلہ آپ ﷺ سے یا آپ ﷺ کی شریعت سے کرانا) کو ہی ایمان قرار دیا ہے اور اللہ نے یہ بھی بتلا دیا ہے کہ ایمان صرف یہی ہے کہ آپ ﷺ کے حکم اور فیصلے کے بعد دل میں کسی قسم کی تنگی یا ناپسندیدگی نہ ہو ایک بات اور بھی واضح ہوئی کہ ایمان عمل عہد اور قول کا نام ہے اس لئے کہ حکم تسلیم کرنا عمل ہے اور یہ قول کے بغیر نہیں ہوتا اور تسلیم کرنے کے بعد دل میں ناپسندیدگی نہ رکھنا عہد ہے۔ (الدرۃ ص338)۔

مَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَ يَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا (النساء :115)

جس نے ہدایت آجانے کے بعد رسول کی مخالفت کی اور مؤمنین کے راستے کے بجائے کوئی اور راستہ اختیار کیا تو ہم اس کو پھیر دیں گے جدھر وہ پھرنا چاہتا ہے اور اسے جہنم میں داخل کر دیں گے وہ بہت بری جگہ ہے جانے کی۔

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں ابو محمد نے کہا ہے کہ یہ آیت اس طرح کے عمل کرنے والے کے کفر پر صریح دلالت ہے۔ اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ مومنین کے راستے کو چھوڑ کر کسی دوسرے راستے پر چلنے والا مومن نہیں ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو مومنوں کا راستہ نہیں اپناتا وہ کافر نہیں ہے اس لئے کہ زنا شراب پینا لوگوں کا مال باطل طریقوں سے کھانا مومنین کا شیوہ اور انکی روش نہیں ہے جبکہ ہم جانتے ہیں کہ ان گناہوں میں سے کسی ایک کا بھی مرتکب مومنین کے راستہ پر نہیں ہے مگر اس کے باوجود اسے کافر نہیں کہا جاسکتا البتہ فلا وربك لا یومنون........والی مذکورہ آیت میں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحکیم کو تسلیم نہ کرنے والے کے بارے میں کسی قسم کی تاویل ممکن نہیں ایسے شخص کو مومن ثابت کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے نہ ہی ایمان کی کوئی قسم ایسی ہے جو اس میں پائی جائے۔(الفصل فی الملل والاھواء والنحل:3/293)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے منافقین کی کفار اور یہود ونصاری سے دوستی کی مذمت جس وجہ سے کی ہے وہ یہ ہے کہ اھل کتاب میں ایک گروہ کتاب اللہ کو چھوڑ کر کسی اور قانون وشریعت کے پاس اپنے فیصلے لے جاتا تھا جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡجِبۡتِ وَالطَّاغُوۡتِ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب میں سے حصہ ملا ہے وہ جادو اور طاغوت پر ایمان لاتے ہیں (النساء:51)۔(مجموع الفتاوی28/199 طبع دار عالم الکتب)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کفار یہود ونصاری سے دوستی سے متعلق بات کی ہے تو یہ وہ دوستی ہے جو کفر اکبر میں شمار ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔

وَمَنۡ یَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡکُمۡ فَاِنَّهٗ مِنۡهُمۡ۔ (مائدہ:51)

تم میں سے جس نے بھی ان (کفار) سے دوستی کی وہ انہی میں سے ہے۔

امام صاحب رحمہ اللہ نے لوگوں کی دو قسمیں بیان کی ہیں پہلی قسم یہود ونصاری کی ہے اور دوسری قسم منافقین کی ہے جو دل میں کفر چھپائے رکھتے ہیں اور خود کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں پھر ان یہود ونصاری سے دوستی کی دو قسمیں بتائی ہیں ایک تو یہ کہ ان کے بعض کفریہ عقائد کو تسلیم کر لیا جائے اور دوسری یہ کہ کتاب اللہ کو چھوڑ کر کسی کو فیصلہ کرنے اور قانون بنانے کا مجاز مان لیا جائے۔امام رحمہ اللہ نے تحاکم کو دوستی کی ایک قسم قرار دیا ہے اوران کے کفریہ عقائد کو تسلیم کرنا جس طرح کفر ہے اس طرح انکی دوستی کی دوسری قسم تحاکم (کتاب اللہ کے علاوہ کسی او کو فیصلہ کرنے اور قانون سازی کا مجاز ماننا) ہے یہ بھی کفر ہے امام صاحب نے آیت سے کس طرح استدلال کیا ہے؟

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡجِبۡتِ وَالطَّاغُوۡتِ

کہ یہود ونصاری جادو اور طاغوت پر ایمان لاتے ہیں ان سے دوستی کرنے والا گویاان کے عقائد کو صحیح تسلیم کر رہا ہے اس لئے کہ ان کے گناہوں میں برابر کا شریک ہے اسی طرح تحکیم لغیر اللہ بھی اس پر قیاس ہو گا)۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یَزۡعُمُوۡنَ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَحَاکَمُوۡۤا اِلَی الطَّاغُوۡتِ وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ یَّکۡفُرُوۡا بِهٖ وَیُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّضِلَّهُمۡ ضَلٰلًاۢ بَعِیۡدًا (النساء:60)

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کا دعوی ہے کہ وہ آپ ﷺ پر اور آپ سے قبل نازل ہونے والی شریعتوں پر ایمان لائے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ اپنے فیصلے طاغوت کے پاس لے جائیں حالانکہ انہیں طاغوت کے انکار کا حکم دیا گیا ہے شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بہت بڑی گمراہی میں مبتلا کر دے۔

اس آیت کے ضمن میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو لوگ تمام کتب آسمانی پر ایمان لانے کا دعوی کرتے ہیں اور فیصلے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے علاوہ دوسروں کے پاس لیجاتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر قانون طاغوت کا مانتے ہیں ان کی مذمت کی گئی ہے اسی طرح بہت سے نام نہاد مسلمان دعوی اسلام کا کرتے ہیں اور اپنے فیصلے بے دین فلاسفہ وغیرہ کے قوانین کے مطابق کراتے ہیں یا ایسے حکمرانوں کو تسلیم کرتے ہیں جو عملا شریعت اسلامی سے خارج ہیں یہ قابل مذمت ہیں (مجموع الفتاوی12/339)

اسی طرح آیت:

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (النور:51)۔

مومنوں کا تو صرف یہی کہنا ہوتا ہے جب انہیں اللہ و رسول کی طرف فیصلے کے لئے بلایا جائے کہ ہم نے سنا اور مان لیا اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔

کے بارے میں امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالی نے واضح کر دیا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے ہٹ گیا اور آپ ﷺ کے حکم سے منہ موڑ لیا تو وہ شخص منافق ہے مومن نہیں ہے جبکہ مومن تو وہی ہے جو کہتا ہے کہ ہم نے (اللہ ورسول ﷺ کا حکم) سنا اور مان لیا جب رسول ﷺ کے حکم سے منہ موڑنے اور کسی اور کی طرف فیصلے لیجانے سے نفاق ثابت ہوتا ہے اور ایمان ختم ہوتا ہے جبکہ یہ صرف نبی ﷺ کے حکم یا فیصلے کو چھوڑنا ہے تو جو کوئی آپ ﷺ کا حکم توڑے گا اور آپ ﷺ کو برا بھلا کہے گا تو اسکا کیا حکم ہو گا؟ (یہ ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے) (الصارم المسلول ص38)۔

یہاں نفاق سے مراد نفاق اکبر ہے جس کی بنا پر انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اس لئے کہ وہ پیغمبر کا حکم توڑ رہا ہے اور اسے برا سمجھ رہا ہے اگرچہ وہ حکم رسول سے اعراض اور کسی اور سے فیصلہ کرانے کو کفر اکبر اور نفاق اکبر نہیں سمجھتا اس لئے کہ وہ اس عمل کو حکم رسول ﷺ کا توڑنا اور اسے برا سمجھنے کے برابر نہیں سمجھتا اور اللہ و رسول ﷺ کو گالی دینا بڑا کفر سمجھتا ہے بنسبت تحاکم لغیر اللہ کے مگر امام صاحب کے قول سے واضح ہوتا ہے کہ یہ دونوں عمل کفر باللہ ہیں مگر اللہ کو گالیاں دینا شدید کفر ہے۔

امام صاحب کا یہ قول بھی قابل توجہ ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص آپ ﷺ کا حکم صرف چھوڑ رہا ہے اور وہ بھی صرف خواہشات کی تابعداری میں نہ کہ اس عمل کو جائز سمجھتے ہوئے گویا یہاں کفر شریعت کے انکار کی وجہ سے نہیں ہے

بلکہ خواہشات کی پیروی میں نبی ﷺ کا حکم چھوڑنا اور طاغوت کی طرف اپنا فیصلہ لیجانا ہے اسی طرح امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ أَوْلِيَآءَ۔

اگر یہ لوگ اللہ اور اس کے نبی پر ایمان لاتے تو کبھی ان (غیروں کو) دوست نہ بناتے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ۔

تیرے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک اپنے اختلافی معاملات میں (اے محمد ﷺ) تجھے حکم تسلیم نہ کرلیں۔

اللہ تعالی نے ایمان کے ثبوت کے لئے ان امور کو شرط قرار دے دیا یعنی ان شرائط کے بغیر ایمان کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا ۔(مجموع الفتاوی:150/7)۔

نیز فرماتے ہیں یہی بات انصاری اور زبیر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے ثابت ہوتی ہے جن کا زمین کے ایک حصہ پر (پانی پلانے پر) تنازعہ ہوا (حالات اور واقعات کے پیش نظر) آپ ﷺ نے زبیر کے حق میں فیصلہ کیا تو انصاری نے کہا اس لئے کہ یہ آپ کا پھوپھی زاد ہے؟ اور اس طرح کا واقعہ وہ بھی ہے جس میں آپ ﷺ نے فیصلہ کیا تو ایک فریق ابو بکر رضی اللہ عنہ پھر عمر رضی اللہ عنہ کے پاس فیصلہ کرانے گیا۔

شیخ فرماتے ہیں یہ سب واقعات ثابت کرتے ہیں کہ ایسے افراد واجب القتل ہیں اس طرح کی حرکت کرنے والے منافق ہوجاتے ہیں جن کا خون جائز ہوجاتا ہے۔(الصارم المسلول ص233)۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اس قول پر غور کرنا چاہیئے جس میں وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے منہ موڑنے والے کو کافر قرار دے رہے ہیں اس کی دلیل کے طور پر عمر بن خطاب کا واقعہ مد نظر رکھ رہے ہیں جس میں عمر رضی اللہ عنہ نے ایک منافق کو اس بنیاد پر قتل کردیا تھا کہ وہ نبی کے فیصلے پر راضی نہیں تھا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سلوک اس شخص کے ساتھ کیا جو نبی کے فیصلے پر راضی نہیں تھا اور جو آپ ﷺ کے فیصلے کی مخالفت کرے اپنا فیصلہ طاغوت کے پاس لے جائے اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے؟

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں ہم نے جو واقعہ عمر بن خطاب کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے ایک منافق کو قتل کیا جو نبی ﷺ کے فیصلے سے خوش نہ تھا عمر رضی اللہ عنہ اس عمل کی موافقت میں قرآن کی آیت نازل ہوئی اور جو آپ ﷺ کے فیصلے پر اعتراض کرے اس میں عیب نکالے اس کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟(الصارم المسلول:ص528)۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے مذکورہ کلام کا مطلب یہی نکلتا ہے کہ جو شخص نبی کریم ﷺ کے فیصلے سے راضی نہ ہو وہ کافر ہو جاتا ہے تو پھر اس شخص کے بارے میں کیا فیصلہ کریں گے جو آپ ﷺ کے حکم پر اعتراض کرتا ہے یا اسمیں خامیاں نکالتا ہے ظاہر ہے کہ ایسا شخص بدرجہ اولیٰ کافر ہے ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا واضح اور صریح حکم یہی ہے کہ جو شخص نبی کو حکم (فیصلہ کرنے والا) نہیں مانتا وہ کافر ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص اپنا فیصلہ اللہ ورسول ﷺ کے علاوہ کسی اور کی طرف لے گیا تو وہ طاغوت سے فیصلہ کرانے والا شمار ہو گا حالانکہ طاغوت کے انکار کا حکم دیا گیا ہے اور طاغوت کے انکار کی صورت یہی ہے کہ انسان اپنے فیصلے صرف اللہ کے پاس لے جائے جو کہ فیصلہ کرنے کا حقیقی مختار ہے۔ (طریق الہجرتین: 73) ابن قیم رحمہ اللہ کی بات غور کریں جب وہ کہتے ہیں کہ طاغوت کے انکار کی صرف یہی صورت ہے کہ فیصلے صرف اللہ کے پاس لے جائیں ابن قیم رحمہ اللہ یہ نہیں کہہ رہے کہ اللہ کے حکم ہونے کا عقیدہ رکھا جائے بلکہ فرما رہے ہیں کہ فیصلہ اللہ سے کرائے کسی اور کے پاس نہ لے جائے اور فیصلہ لیجانا ایک عمل ہے جس نے کسی تنازعہ کی صورت میں کیا جاتا ہے تنازع کے موقعہ پر تنازعہ غیر اللہ کی طرف لیجانے کی دعوت دی اس نے جاہلیت کی دعوت دی بندہ ایمان میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ تمام متنازعہ امور اللہ ورسول ﷺ کی طرف نہ لوٹا دے۔ اس لئے اللہ نے فرمایا:

اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔

اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو؟

جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ یہ ایمان کی شرائط میں سے ہے اور جب شرط معدوم ہوتی ہے تو مشروط بھی ختم ہو جاتی ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ جس نے غیر اللہ کو حکم تسلیم کر لیا اور اختلافی امور میں اللہ ورسول کے حکم پر فیصلہ نہیں کروایا تو وہ تقاضائے ایمان سے خارج ہوا کسی بھی مسلمان کے لئے بطور نصیحت یہ آیت کافی ہے جو اس مسئلہ میں فیصلہ کن، تفصیلی اور مسئلہ مذکورہ کے مخالفین کی کمر توڑ دینے والی ہے اور جو مذکورہ مسئلہ کو تسلیم کرنے والے اور اس پر عمل کرنے والے ہیں ان کے لئے مضبوط دلیل اور سہارا ہے۔ (الرسالۃ التبوکیۃ لابن قیم الجوزیۃ ص 133)۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی حالت بھی بیان کی ہے جو اپنے متنازعہ امور کے فیصلے اللہ ورسول ﷺ کے علاوہ کسی اور کی طرف لیجاتے ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی نازل کردہ (کتاب) اور رسول ﷺ کی طرف آؤ تو آپ ﷺ منافقین کو دیکھیں گے کہ وہ آپ سے مکمل طور پر روکتے ہیں۔ (النساء: 61)

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی لائی ہوئی شریعت سے گویا امام صاحب کا مطلب یہ ہے کہ انسان اسی صورت میں مسلمان ہو گا جب وہ فیصلہ کرنے کا اختیار صرف اللہ کے لئے مانے اپنے تمام فیصلے کتاب اللہ وسنت رسول سے کرائے اگر اس نے اپنا کوئی بھی فیصلہ کتاب وسنت کے علاوہ کسی اور سے کروایا تو گویا اس نے ایک اللہ کو حکم تسلیم ہی نہیں کیا اور جب اللہ کو اکیلا حکم نہ مانا تو پھر طاغوت کا کفر نہ کیا اور جو شخص طاغوت کا انکار نہیں کرتا اس کا اسلام صحیح نہیں ہو سکتا اس لئے کہ کفر بالطاغوت اس توحید کا رکن ہے جس توحید کی وجہ سے انسان مسلمان بنتا ہے ایک اللہ پر ایمان لانے والا شمار ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُوْلِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّأَحْسَنُ تَأْوِيْلاً۔(النساء:59)

اگر تم کسی معاملے میں اختلاف کر بیٹھو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو؟ یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ قطعی دلیل ہے اس بات کی کہ اپنے ہر تنازع کو اللہ ورسول ﷺ کے پاس لیجانا واجب ہے جس دینی مسئلہ میں بھی لوگ باہم اختلاف کریں اسے اللہ ورسول کی طرف لیجانا ضروری ہے ان دونوں کے علاوہ کسی اور کی طرف لیجانا جائز نہیں جس شخص نے بھی اللہ اور رسول ﷺ کے علاوہ کسی اور کی طرف تنازعہ لیجانا جائز قرار دیدیا تو اس نے اللہ کی مخالفت کی اور اس سے اعراض کرنا اور کسی اور قانون کی طرف متوجہ ہونا حقیقی نفاق ہے جسطرح کہ حقیقی ایمان نبی ﷺ کے فیصلے کو ماننا اور اس طرح ماننا کہ دل میں پھر کسی قسم کی خلش یا ناپسندیدگی نہ رہے یہ حقیقی ایمان ہے اور اس فیصلے سے اعراض وگریز حقیقی نفاق ہے۔(مختصر الصواعق المرسلۃ2/515)

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے نبی ﷺ کے فیصلے سے اعراض کو حقیقی نفاق قرار دیا ہے یعنی نفاق اکبر(جس کا مرتکب جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہو گا)۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر کسی شخص میں کفر کا ایک حصہ، شعبہ پایا جائے تو اسکا مطلب یہ نہیں کہ وہ کافر مطلق ہے جب تک کہ ایسا عمل سرزد نہ ہو جو کفر حقیقی کی دلیل بنتا ہو۔(اقتضاء الصراط المستقیم1/208)

امام ابن قیم کے چند اشعار اس مضمون کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں۔

ترجمہ:۔ اللہ نے اپنے آپ کی قسم کھائی ہے ایسی قسم جو ایمان کی حقیقت واضح کر رہی ہے یہ کہ وہ شخص مومن نہیں جو واضح دلائل والے رسول کو چھوڑ کر فیصلے کسی اور سے کراتا ہو بلکہ وہ کبھی مومن نہیں جس نے دونوں قسم کی وحی (قرآن و حدیث) کے علاوہ کسی اور کو حکم مان لیا نہ یہ شخص مومن ہے اور نہ وہ جس نے فیصلہ تو رسول سے کرایا مگر دل میں اس فیصلے سے

تنگی محسوس کی یہ صرف اسی صورت میں مومن بن سکتا ہے جب دونوں قسم کی وحی کے فیصلے کو دل و جان سے تسلیم کرے نیز فرماتے ہیں اور وہ (شخص مومن ہے جو) وحی مبین کو حکم مانتا ہے ایسے شخص کے پاس دو حکم ہیں دونوں ہی عادل ہیں ایک کتاب اللہ ہے جس میں شفاء بھی ہے اور سرگرداں و پریشاں لوگوں کے لئے ہدایت بھی اور دوسرا حاکم رسول اللہ ﷺ کا کلام ہے کسی مومن کے لئے ان دونوں کے علاوہ کوئی حاکم نہیں اگر تمہیں کوئی دعوت دے رہا ہو ان دونوں کے علاوہ کسی اور کے فیصلے کی طرف تو کفر اور عصیان کے ایسے داعی کی بات کبھی نہ سننا اور نہ ماننا۔ مزید فرماتے ہیں ہر قوم کا طاغوت وہ ہے جسے وہ اپنے فیصلوں میں حکم مانتے ہوں۔ (اعلام الموقعین 1/50)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے الیاسا کے کچھ احکام ذکر کئے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

جس نے زنا کیا اسے قتل کیا جائے گا چاہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ جس نے عمل قوم لوط کیا اسے قتل کیا جائے گا جس نے جان بوجھ کر جھوٹ بولا اسے قتل کیا جائے گا جس نے جادو کیا اسے قتل کیا جائے گا جس نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کیا اسے قتل کیا جائے گا جس نے اس میں غوطہ لگایا اسے قتل کیا جائے گا جس نے کسی قیدی کو کھانا، پینا یا لباس اپنے گھر والوں کی اجازت کے بغیر دیا اسے قتل کر دیا جائے گا جسے سود ملا اور اس نے لینے سے انکار نہ کیا اسے قتل کر دیا جائے گا جس نے قیدی کو کھانا کھلایا یا ایک دوسرے کی طرف کھانے کی چیز پھینکی اسے قتل کر دیا جائے گا البتہ ایک دوسرے کے ہاتھ سے چیز لے دے سکتے ہیں (پھینکیں نہ) کسی نے کسی کو کھانے کی کوئی چیز کھلائی تو پہلے خود اس میں سے کھائے (اگر کھلایا جانے والا شخص امیر ہو قیدی نہ ہو) اگر کسی نے کھایا اور اپنے پاس موجود کسی کو نہ کھلایا تو قتل کر دیا جائے گا جس نے کسی جانور کو ذبح کیا تو بدلے میں اسے ذبح کیا جائے گا بلکہ اس کا پیٹ چاک کر کے اس کا دل نکالا جائے گا یہ تمام احکام انبیاء کرام پر نازل ہونے والے احکام کے خلاف ہیں اب جس نے بھی محمد ﷺ پر ناز ہونے والی محکم شریعت کو چھوڑ کر سابقہ منسوخ شدہ شریعتوں کے مطابق اپنے فیصلے کرائے تو وہ شخص کافر ہو گیا جب اس طرح کرنے والا کافر ہے تو پھر اس شخص کا کیا حکم ہے جو الیاسا کے ان سابقہ احکام کو تسلیم کرتا ہے اور انہیں شریعت محمدی ﷺ پر مقدم رکھتا ہے ایسا کام جو بھی کرتا ہے وہ باجماع المسلمین کافر ہے (البدایۃ والنہایۃ 13/139)۔

یہ ابن کثیر رحمہ اللہ کا واضح قول ہے جس میں اس شخص کے کفر پر اجماع نقل کیا گیا ہے جو شریعت الٰہیہ منسوخ شدہ کے مطابق فیصلے کراتے ہوں جیسے تورات وغیرہ جب اللہ کی نازل کردہ منسوخ شدہ سابقہ شریعت سے فیصلہ کرانا بھی کفر ہے تو پھر لوگوں کے بنائے قوانین کے مطابق فیصلے کرانے والے کے کفر میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ ایسے شخص کا کفر تو یقینی ہے۔

بعض علماء نے ابن کثیر کی بیان کردہ وعید اور کفر کا فتوی صرف تاتاریوں کے لئے خاص مانا ہے کہ وہ لوگ بعض کفریہ امور میں ملوث ہو گئے تھے مگر یہ رائے باطل ہے اس لئے کہ اس تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے واضح طور پر کہا ہے کہ جس نے محکم شریعت محمدی ﷺ) کو چھوڑا اسمیں عام بات کی گئی ہے کہ جس کسی نے بھی اس طرح کیا کسی

خاص قوم کا ذکر نہیں ہے دوسری بات یہ ہے کہ ابن کثیر یہاں ایک شرعی مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ شریعت محمدیہ ﷺ کو چھوڑ کر دیگر سابقہ آسمانی شریعتوں کے مطابق فیصلے کرانے کا کیا حکم ہے ایسے شخص کو کس زمرے میں شامل کریں گے ؟اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ سابقہ منسوخ شدہ شریعتوں کے مطابق فیصلہ کرانا کفر ہے ۔ لہٰذاانسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق فیصلے تو ہیں ہی کفر یہ بات ابن کثیر رحمہ اللہ کے قول سے واضح ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کا کیا حکم ہوگا جو الیاسا کے مطابق فیصلے کرائے الیاسا وہ قانون ہے جو چنگیز خان نے بنایا تھا اس میں سے ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب البدایہ والنہایہ کے مقدمہ میں کچھ مسائل ذکر کئے (جو ہم پہلے تحریر کر چکے)پھر فرمایا کہ یہ سب انبیاء سابقہ پر نازل ہونے والی شریعتوں کے خلاف ہے یہاں تاتاریوں کا ذکر ابن کثیر نے صرف بطور مثال کے کیا ہے اس لئے کہ انہوں نے یہی کام کیا تھا کہ شریعت محمدی ﷺ کو چھوڑ کر چنگیز خان کے بنائے ہوئے قانون کو اپنایا تھا اس لئے ابن کثیر رحمہ اللہ آیت افحکم الجاھلیۃ یبغون ....(کیا یہ لوگ جاہلیت کا حکم تلاش کر رہے ہیں)کی تفسیر میں فرماتے ہیں اس آیت میں اللہ تعالی اس شخص کی مذمت کر رہا ہے جو اللہ کا حکم مبنی بر عدل اور ہر لحاظ سے بہترین قانون چھوڑ کر لوگوں کی آراء وخواہشات اور ان اصطلاحات کی طرف جاتا ہے جو لوگوں نے وضع کی ہیں جس طرح کہ دور جاہلیت کے لوگ اپنی آراء اور خواہشات پر مبنی گمراہ کن احکام پر عمل پیرا تھے اور جس طرح تاتاری اپنے بادشاہ چنگیز خان کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کرتے تھے جس نے ان کے لئے الیاسق کی صورت میں قوانین کا مجموعہ بنایا تھا(اس کو سابقہ سطور میں الیاسا بھی کہا گیا ہے)الیاسق چنگیز خان نے مختلف ذرائع یہودیت ، نصرانیت اور اسلام کے احکام سے ملا کر مرتب کیا تھا اور اس میں بہت سے احکام اس نے اپنی سوچ اور فکر سے بنا کر شامل کئے تھے پھر یہی یاسق اسکی اولاد میں ایسی شریعت کا درجہ پا گیا جسے وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر بھی مقدم رکھتے تھے لہٰذا جو بھی اس طرح کا کام کرتا ہے وہ کافر ہے واجب القتل ہے جب تک کہ اپنی اس روش کو چھوڑ کر اللہ و رسول ﷺ کے حکم کی طرف رجوع نہ کرے اور ہر چھوٹے بڑے معاملے میں قرآن و سنت کو حکم تسلیم نہ کرے ۔ یہاں ابن کثیر رحمہ اللہ نے دو مثالیں بیان کی ہیں ایک اہل جاہلیت کی جو اپنی گمراہ کن آراء اور خواہشات کے پیرو تھے اس مثال سے یہ بات غلط ثابت ہوئی کہ ابن کثیر رحمہ اللہ کا حکم صرف تاتاریوں کے لئے خاص ہے یہ حکم عام ہے ہر اس شخص کے لئے ہے جو اللہ ورسول ﷺ کے احکام کو چھوڑ کر کسی اور کے حکم کو اپناتا ہے ۔

دوسری مثال ابن کثیر رحمہ اللہ نے تاتاریوں کی اوران کے الیاسا کی دی ہے یہ صرف بطور مثال کے ہے نہ کہ تخصیص کے لئے اسلئے انہوں نے اپنے فتوی کا اختتام اس طرح کے الفاظ پر کیا ہے کہ جن سے تعمیم ثابت ہوتی ہے جیسا کہ فرماتے ہیں جس نے بھی ایسا کیا تو وہ کافر ہے دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کے کفر پر مسلمانوں کا اجماع ہے ابن کثیر رحمہ اللہ کا فتوی تمام ان لوگوں کے خلاف ہے جو تاویلات باطلہ کے پیروکار ہیں یہاں کچھ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ منسوخ شدہ آسمانی

شریعتوں کے احکام ماننا تو کفر ہے اس لئے کہ وہ منسوخ شدہ ہیں مگر انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین تو شریعت ہی نہیں ہیں تو انکی پیروی کیسے کفر ہے؟

اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ یہ بات غلط اور یہ دلیل باطل ہے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں اللہ تعالی نے اہل کفر و شرک کی ہر ملت کو دین کہا ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ O لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ O وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ O وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ O وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ O لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہدو اے کافرو!! میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی عبادت تم کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کررہا ہوں اور نہ میں (مستقبل میں) عبادت کرنے والا ہوں انکی جسکی عبادت تم کرتے ہو۔ (لہٰذا) تمہارے لئے تمہارا اور میرے لئے میرا دین ہے۔ (الکافرون)۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ دین کہتے ہیں ایک نظام حکومت اور اس کے نفاذ کے طور طریقوں کو سورہ یوسف میں ارشاد ہے۔

كذلك كدنا ليوسف ما كان ليأخذ اخاه في دين الملك۔

اس طرح ہم نے ترکیب بتائی یوسف (علیہ السلام) کو (ورنہ) وہ اپنے بھائی کو نہیں لے سکتا تھا بادشاہ کے دین (قانون و نظام مملکت) کی رو سے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں دین سے مراد بادشاہ مصر کا حکم اور فیصلہ ہے امام قاسمی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ کفار اقوام کے قوانین کو بھی دین کہا جاسکتا ہے (کہ دین نظام مملکت کا نام ہے ہر ملک کا نظا اسکا دین ہے) یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ شرائع منسوخہ کے مطابق فیصلے اس لئے کفر ہے کہ ان سے فیصلے اعتقاد کی وجہ سے لئے جاتے ہیں (یعنی انکے صحیح ہونے کا اعتقاد کرکے) یہ بات بھی غلط ہے اس لئے کہ اگر ایک شخص اعتقاد کی بنیاد نہیں بلکہ صرف دنیاوی مفاد کی خاطر شرائع منسوخہ کا فیصلہ قبول کرتا ہے تو اسے کافر کہا جائے گا یا نہیں؟

اگر جواب نفی میں ہے تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ تم نے اس اجماع کو ختم کر دیا جو اس شخص کے کفر پر منعقد ہوا تھا اور اگر تمہارا جواب ہاں میں ہے تو پھر ہم پوچھتے ہیں کہ شریعت منسوخہ اور شریعت وضعیہ سے فیصلہ لینے میں کیا فرق ہے؟ جبکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ فیصلہ اعتقاد کی بنا پر نہیں صرف دنیاوی فائدے کے لئے ہے؟ (شریعت وضعیہ کہتے ہیں انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین)۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ

یہ اس لئے کہ انہوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلے میں پسند کرلیا اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں کرتا۔(النحل:107)

امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت میں اس بات کی وضاحت و صراحت ہے کہ یہ کفر اور اس کے بدلے میں ملنے والا عذاب اس وجہ سے نہیں ہے کہ انکا اعتقاد تھا یا وہ بے خبر تھے یا دین سے بغض رکھتے تھے یا کفر سے محبت کرتے تھے یہ صرف اس بنا پر ہے کہ انہیں کوئی دنیاوی فائدہ مل رہا تھا جس کو انہوں نے دین پر ترجیح دے دی اسلئے شرائع منسوخہ یا انسانوں کے وضع کردہ قوانین کے مطابق فیصلے کرانا کفر ہے ملت اسلام سے خارج کرنے کا ذریعہ ہے چاہے اس کا سبب اعتقاد ہو یا بغیر اعتقاد کے ہو ہر دوصورت اسلام سے خروج کا ذریعہ ہے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس نے انجیل کے احکام کے مطابق کوئی ایسا فیصلہ کیا جس کا ثبوت و تائید شریعت اسلام میں نہ ہو تو ایسا شخص کافر مشرک خارج اسلام شمار ہوگا۔(الاحکام فی اصول الاحکام(5/173)

شیخ احمد شاکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس نے اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر جانتے بوجھتے کسی اور قانون کے مطابق فیصلہ حکومت کی تو وہ کافر ہے اور اسکی تائید کرنے والا بھی چاہے اپنے فیصلے کو اہل کتاب کی شریعت کے موافق قرار دیتا ہو یا انسانوں کا بنایا ہوا قانون ہر دوصورت کفر اور خروج من الملۃ شمار ہوگا۔(مسند الامام احمد بتحقیق و تعلیق الشیخ احمد شاکر(14/183)عند رقم (7747)

ابن کثیر رحمہ اللہ نے تاتاریوں کی بابت جو کچھ کہا ہے جس کا تذکرہ چند سطور قبل ہوا ہے اس کے بارے میں شیخ صالح بن فوزان کہتے ہیں:

ابن کثیر رحمہ اللہ نے تاتاریوں کے بارے میں جو کچھ ذکر کیا ہے اور اس شخص کے کفر کے بارے میں جو ان قوانین کو شریعت کا متبادل سمجھتے ہیں یا ان قوانین کو شریعت کا بدل قرار دیتے ہیں جو موجودہ دور میں انسانوں نے وضع کئے ہیں اور اکثر ممالک میں رائج ہیں جن کی وجہ سے شریعت اسلامی کو ترک کر دیا گیا ہے سوائے چند عائلی قوانین کے تو ابن کثیر رحمہ اللہ کی بات صحیح ہے اس کی تائید میں بہت سی آیات موجود ہیں جیسے : وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (المائدۃ:44)جو لوگ اللہ کے نازل کردہ دین کے مطابق حکومت یا فیصلے نہیں کرتے تو وہ لوگ کافر ہیں۔ فَلَاوَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ۔ (النساء :65) جب تک یہ لوگ آپ ﷺ کو اپنے اختلافی امور میں حکم نہ تسلیم کرلیں یہ مومن نہیں ہوسکتے۔(الارشاد الی صحیح الاعتقاد ص64)۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا(النساء:59)

اگر تم کسی معاملے میں اختلاف کر بیٹھو تو اسے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو؟ یہ تمہارے لئے اچھا ہے اور انجام کے لحاظ سے بہترین ہے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے بھی متنازعہ مسئلہ میں کتاب و سنت سے فیصلہ نہیں کروایا اور انکی طرف رجوع نہ کیا تو اسکا اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں ہے۔

شیخ عبد الرحمن بن حسن آل الشیخ فتح المجید کے مصنف فرماتے ہیں:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ........سے ثابت ہوتا ہے کہ طاغوت سے فیصلہ کرانا طاغوت پر ایمان لانا ہے دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ عمر بن الخطاب کا منافق کو قتل کرنا (کہ وہ اپنا فیصلہ رسول ﷺ کے بعد کسی اور کے پاس لے گیا) اس بات کی دلیل ہے کہ کفر اور انفاق کا مظاہرہ کرنے والے کو قتل کیا جاسکتا ہے۔

علامہ شیخ جمال الدین القاسمی رحمہ اللہ اپنی تفسیر محاسن التاویل میں آیت

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَ يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلَالًاۢ بَعِيْدًا (النساء:60)

کیا آپ ﷺ نے ان لوگوں کو دیکھا ہے جن کا دعوی ہے کہ وہ آپ ﷺ پر اور آپ سے قبل نازل شدہ شریعتوں پر ایمان لائے ہیں (مگر حال یہ ہے کہ) وہ اپنے فیصلے طاغوت کے پاس لیجانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں طاغوت کے انکار کا حکم دیا گیا ہے شیطان چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر دور لے جاڈالے۔

اس آیت میں دلیل ہے کہ طاغوت پر ایمان اللہ کا انکار ہے جس طرح کہ طاغوت کا انکار اللہ پر ایمان ہے۔

اسی آیت کی تفسیر میں علامہ سلیمان بن عبد الکریم آل الشیخ فرماتے ہیں اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ طاغوت یعنی کتاب و سنت کے علاوہ کسی اور کی طرف فیصلے نہ لیجانا فرض ہے اور اس کی طرف فیصلہ لیجانے والا مومن بلکہ مسلمان نہیں ہے۔

علامہ شیخ عبد اللطیف بن عبد الرحمن فرماتے ہیں جس نے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے علاوہ کسی اور قانون کے مطابق فیصلہ کیا کرایا (جبکہ اسے اسکی حیثیت کا علم تھا) تو وہ کافر ہے۔ (الدرر السنیۃ(10/426) کتاب حکم المرتد)

علامہ شیخ حمد بن عتیق رحمہ اللہ فرماتے ہیں جن اشیاء و امور کی وجہ سے کوئی مسلمان مرتد ہوتا ہے ان میں سے یہ بھی ہے کہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر دوسرے قوانین کے مطابق فیصلے کرے یا کروائے اس میں وہ لوگ بھی شامل و ملوث ہیں جو اکثر دیہاتوں میں رہتے ہیں اور اپنے آباؤ اجداد کے بنائے ہوئے قوانین رسوم و رواجوں کے مطابق فیصلے

کرتے ہیں اور انہیں وہ پسند کرتے ہیں اور انہیں کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ پر مقدم رکھتے ہیں ایسا جس نے بھی کیا وہ کافر ہے(انظر مجموعۃ التوحید:1/361)

علامہ شیخ احمد بن ناصر آل معمر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ .... آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ انسانوں کے دینی تنازعات چاہے اصولی ہوں یا فروعی ہر قسم کے تنازعات اللہ ورسول ﷺ کی طرف لیجانا واجب ہے۔ اسی لئے ان کنتم تومنون باللہ والیوم آخر کی شرط لگائی گئی ہے اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان کو مشروط کر دیا گیا ہے تنازعات اللہ ورسول ﷺ کی طرف لیجانے کے ساتھ اور یہ قاعدہ ہے کہ جب شرط معدوم ہوتی ہے تو مشروط بھی معدوم ہو جاتا ہے لہذا اللہ ورسول ﷺ کے علاوہ کسی اور کی طرف فیصلے لیجانا اللہ اور یوم آخر پر ایمان سے خروج کا متقاضی ہے۔(مجموعۃ الرسائل والفتاوی للشیخ حمد بن ناصر آل معمر ص173)

علامہ شیخ سلیمان بن سحمان کہتے ہیں جب اہل طاغوت سے کہا جاتا ہے کہ اللہ رسول کے حکم کی طرف رجوع کرو اور طاغوت کا حکم چھوڑ دو تو کہتے ہیں کہ ہم طاغوت کا حکم اس لئے نہیں چھوڑ سکتے کہ اس ملک میں خانہ جنگی اور باہمی تصادم ہو سکتا ہے کہ جب ہم میں سے کوئی شخص اپنے قوم قبیلے کا فیصلہ نہیں مانے گا تو اسے قتل کر دیا جائے گا اس لئے ہم ایسے فیصلے ماننے پر مجبور ہیں۔

اس کے بعد شیخ سلیمان نے ایک عمدہ بات کی ہے کہ جب تمہیں معلوم ہے کہ تحاکم الی الطاغوت کفر ہے اور اللہ کا ارشاد ہے کہ کفر قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔

وَالۡفِتۡنَةُ اَکۡبَرُ مِنَ الۡقَتۡلِ (البقرہ:217) وَالۡفِتۡنَةُ اَشَدُّ مِنَ الۡقَتۡلِ (بقرہ:191)

فتنہ سے مراد کفر ہی ہے اب اگر شہروں یا دیہاتوں کے لوگ باہم قتال کریں یہاں تک کہ سب ختم ہو جائیں یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے بنسبت اس کے کہ وہ ملک میں طاغوت مقرر کریں اور وہ اسلامی شریعت کے خلاف فیصلے اور حکومت کرتا رہے حالانکہ عمل کرنے کرانے کے لئے اللہ نے انبیاء کرام کو شریعت دے کر بھیجا ہے۔

اس کے بعد شیخ فرماتے ہیں جب تحاکم الی الطاغوت کفر ہے اور یہ تحاکم بھی دنیاوی اغراض کے لئے ہے تو پھر دنیا کی خاطر کفر کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ انسان اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت اسکے دل میں اپنے والد اور اولاد سے بڑھ کر نہ ہو اگر کسی کی دنیا خراب ہو رہی ہو پھر بھی اس کے لئے جائز نہیں کہ طاغوت سے فیصلے کرائے یا اگر کوئی شخص کسی کو مجبور کردہ باتوں میں سے ایک کا اختیار دے کہ یا تو وہ طاغوت کا فیصلہ تسلیم کرے یا اپنی دنیا کو برباد ہونے دے تو اس پر لازم ہے کہ دنیا کو چھوڑ دے مگر طاغوت کا حکم تسلیم نہ کرے دنیا بچانے کے لئے طاغوت کا فیصلہ ماننا جائز نہیں ہے نیز شیخ سلیمان بن سحمان عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا منافق کو قتل کرنے کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قتل اس بنا پر تھا کہ وہ شخص تحاکم الی الطاغوت کا جرم کر چکا تھا لہذا ایسی سلوک ان تمام لوگوں کے ساتھ کرنا چاہیئے جو طاغوت کا حکم

تسلیم کرتے ہیں جب عمر بن الخطاب خلیفہ راشد صرف اس بنیاد پر ایک شخص کو قتل کر سکتے ہیں کہ وہ طاغوت کے پاس اپنا فیصلہ لے گیا تھا (یہاں طاغوت سے مراد ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی بھی ہو صرف شیطان مراد نہیں ہے) اب جس شخص کی عادت ہی یہ ہو یا جس قوم نے وطیرہ بنالیا ہو کہ اپنے تمام یا اکثر فیصلے طاغوت سے کراتے ہوں اور انہی کو پسند کرتے ہوں تو وہ زیادہ مستحق ہیں کہ انہیں قتل کر دیا جائے کہ وہ مرتد ہیں اور فساد فی الارض کے پھیلانے کے مرتکب ہیں اس لئے کہ انسانوں کی فلاح کی راہ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے کہ اللہ کو اپنا رب اسلام کو اپنا دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نبی تسلیم کرلیں اپنے تمام مقدمات اور فیصلے اس شریعت کے پاس لیجاتے رہیں جہاں یہ تین معدوم ہو جائیں تو اس معاشرہ کا بگاڑ و فساد بہت بڑھ جاتا ہے۔
اللہ کا ارشاد ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ

میں یہی بتایا گیا ہے کہ اللہ و رسول پر ایمان لانے کا دعوی کرنے والا اگر فیصلے اللہ و رسول کی شریعت کے علاوہ کہیں اور سے کرائے تو وہ اپنے دعوی ایمان میں جھوٹا ہے منافق اور راہ حق سے بھٹکا ہوا ہے (الدرر السنیۃ10/507-506-510)۔

شیخ عبد الرحمن السعدی کہتے ہیں جس نے علماء کی اطاعت ایسے طریقے سے کی کہ یہ علماء اللہ کی حلال کردہ کو حرام اور حرام کردہ کو حلال ٹھہرائیں تو اس کی اطاعت کرنے والے نے ان علماء کو رب بنالیا۔ (یعنی کسی عالم کا اس طرح کا حکم ماننا کہ جس سے اللہ کے حلال و حرام کردہ میں تغیر ہوتا ہے یہ اطاعت علماء کو رب بنانا ہے جس کی وجہ سے اہل کتاب کی مذمت کی گئی ہے)

شیخ مزید فرماتے ہیں ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ غیر اللہ کو حاکم تسلیم نہ کرے اور جس امر میں لوگ باہم تنازع کریں اسے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا دیں اس طرح دین مکمل طور پر اللہ کے لئے خالص ہو جاتا ہے اور اگر کوئی شخص اپنا فیصلہ اللہ و رسول کے علاوہ کسی اور کی طرف لیجاتا ہے تو یہ طاغوت کو اپنا حاکم بنا رہا ہے ایسا شخص اگر ایمان کا دعویٰ کرتا ہے تو اس میں وہ جھوٹا ہے اس لئے کہ ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کے اصولی و فروعی مسائل اور دیگر تمام معاملات میں اللہ کو حاکم نہ تسلیم کر لیا جائے اگر اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کی طرف کوئی شخص اپنا فیصلہ لیجاتا ہے تو وہ اس کو اپنا رب بنا رہا ہے اور طاغوت کو حاکم بنا رہا ہے۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس نے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اپنے فیصلوں میں رجوع نہ کیا تو وہ حقیقی مومن نہیں ہے بلکہ اس کا ایمان طاغوت پر ہے اس کی دلیل کے طور پر آیت قرآنی پیش کرتے ہیں۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

اگر تم کسی معاملے میں اختلاف و تنازع کر لو تو اسے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لیجاؤ اگر تم اللہ و آخرت پر ایمان رکھتے ہو؟ (النساء:59)

اسی طرح بڑے بڑے علماء کرام مثلاً علامہ شیخ محمد ابراہیم، شیخ عبداللہ بن حمید، شیخ عبداللطیف بن ابراہیم شیخ عبدالعزیز الشتری، شیخ عبداللطیف بن محمد، شیخ عبداللہ بن عقیل، شیخ عبدالعزیز بن رشید، شیخ محمد بن عودہ، شیخ محمد بن مہیرع رحمھم اللہ فرماتے ہیں تمام برائیوں میں سب سے بڑی برائی اور تمام منکرات میں بدترین منکر یہ ہے کہ اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین انسانوں کے بنائے ہوئے نظام ہائے حیات، اسلاف کی عادات باپ دادا کی رسموں کو شریعت تسلیم کر لیا جائے جس طرح کہ موجودہ دور میں اکثر لوگ اس برائی میں مبتلا ہیں اور انہوں نے ان تمام قوانین و طور طریقوں کو اللہ کے دین و شریعت کے متبادل کے طور پر قبول کر لیا ہے اس طرح کا طرز عمل سب سے بڑا انفاق اور کفر و ظلم کی بڑی علامات میں سے ہے یہ فسق اور نظام جاہلیت میں سے ہے جسے قرآن نے باطل قرار دیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ آمَنُوْا بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْا اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ وَ یُرِیْدُ الشَّیْطَانُ اَنْ یُّضِلَّھُمْ ضَلَالاً بَعِیْدًا (النساء:60)

کیا آپ ﷺ نے ان لوگوں کو دیکھا ہے جن کا دعوی ہے کہ وہ آپ اور آپ سے قبل نازل کردہ (شریعتوں) پر ایمان لائے ہیں (حالانکہ) وہ چاہتے ہیں کہ اپنے فیصلے طاغوت کے پاس لے جائیں جبکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ طاغوت کا انکار کریں (دراصل) شیطان چاہتا ہے کہ انھیں دور کی گمراہی میں مبتلا کر دے۔

دوسری جگہ ارشاد باری ہے:

وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ (المائدہ:44)

جو لوگ اللہ کی نازل کردہ قانون کے مطابق حکومت و فیصلے نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔

وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (المائدہ:45)

جو لوگ اللہ کے نازل کردہ دین و قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ ظالم ہیں۔

وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ۔ (المائدہ:47)

جو لوگ اللہ کی نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ فاسق ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالی نے سخت قسم کا انتباہ کیا ہے ڈرایا ہے ان تمام لوگوں کو جو کتاب اللہ و سنت رسول ﷺ سے اعراض کرتے ہیں اور غیر کو حاکم تسلیم کرتے ہیں اسی طرح اللہ کی طرف سے صراحت سے یہ اعلان ہے کہ جو غیر اللہ کو حاکم بناتا ہے تو وہ کافر، ظالم فاسق ہے منافقین اور اھل جاہلیت کے طور طریق اپناتا ہے لہذا مسلمانوں کو ڈرنا چاہیے اور اللہ و رسول ﷺ کو ہر معاملے میں حاکم تسلیم کرنا چاہیئے ان کے حکم کی مخالفت سے بچنا چاہیئے اور آپس میں ایک دوسروں کو بھی سمجھاتے رہنا چاہیئے اس طرح جو غیر اللہ کو حاکم تسلیم کرتا ہے مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان سے نفرت کریں ان سے عداوت رکھیں اور ان لوگوں سے

بھی ایسا ہی سلوک کریں جو اللہ کی شریعت سے اعراض کریں یا اس کی توہین کریں اور حقارت سے دیکھیں یا اسکا مذاق اڑائیں یا شریعت کو چھوڑ کر کسی اور طرف اپنا فیصلہ لیجانا معمولی سمجھیں اگر مسلمان ایسا کریں گے تب ہی اللہ کی طرف سے عزت و تکریم کے مستحق ہوں گے اور اس کے عذاب سے محفوظ رہیں گے اور اللہ کے اس حکم کو بجالانے والے شمار ہوں گے جس میں انہیں حکم دیا گیا ہے کہ ان حکمرانوں اور حاکموں سے دوستی کریں جو اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلے کرتے ہیں کتاب و سنت کو ہر دیگر قانون پر مقدم رکھتے ہیں اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سیدھے راستے کی ھدایت دے اور منافقین و کفار کی مشابہت سے محفوظ رکھے اپنے دین کی مدد کرے اور اپنے دشمنوں کو رسوا کمزور کرے بے شک وہی ہر چیز پر قادر ہے ہماری طرف سے قیامت تک لاتعداد درود و سلام ہوں اس کے بندے اور رسول جناب محمد ﷺ پر (آمین)۔(فتاوی الشیخ محمد بن ابراہیم:12/256)۔

علامہ شیخ محمد امین شنقیطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حیرت اور تعجب ہے اس شخص پر جو فیصلے کسی اور کے مانتا ہے اور دعوی ایمان باللہ کا کرتا ہے(کیا اللہ کا یہ فرمان اسے نہیں معلوم ؟)

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِیۡنَ یَزۡعُمُوۡنَ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَحَاكَمُوۡۤا اِلَى الطَّاغُوۡتِ وَ قَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ یَّكۡفُرُوۡا بِهٖ ؕ وَ یُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّضِلَّهُمۡ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا (النساء:60)

کیا آپ ﷺ نے ان لوگوں کو دیکھا ہے ؟ جن کا دعوی یہ ہے کہ وہ آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ سے قبل نازل ہونے والی شریعتوں پر ایمان لائے ہیں (اس کے ساتھ ساتھ) وہ چاہتے ہیں کہ اپنے فیصلے طاغوت کے پاس لیجائیں حالانکہ انہیں طاغوت کے انکار کا حکم دیا گیا ہے شیطان چاہتا ہے کہ انہیں دور کی گمراہی میں ڈال دے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ۔(المائدہ:44)

جس نے اللہ کے نازل کردہ شریعت کے مطابق حکومت ، فیصلے ، تصفیے نہیں کئے وہ لوگ کافر ہیں۔(اضواء البیان:3/441-439)

شیخ مزید فرماتے ہیں جو لوگ غیر اللہ کے پاس اپنے فیصلے لیجاتے ہیں۔ اللہ نے سورۂ نساء میں ان کے دعوئ ایمان پر حیرت و تعجب کا اظہار کیا ہے اس لئے کہ اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر کسی اور طرف فیصلے لیجانا اور اس کے باوجود اللہ کی شریعت پر ایمان کا دعوی اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ جس پر حیرت و تعجب ہی ہوتا ہے اس تعجب کا اظہار اللہ نے مذکورہ آیت اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِیۡنَ یَزۡعُمُوۡنَ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا .... میں کیا ہے۔

ہم نے مذکورہ سطور میں جو دلائل وحی میں سے ذکر کئے ان سے اچھی طرح وضاحت ہو گئی ہے کہ جو لوگ قوانین وضعیہ جو کہ دراصل شیطان کی شریعت ہے جو اس نے اپنے حواریوں کے ذریعے سے بنائی ہے اور اللہ کے رسولوں کی لائی ہوئی شریعتوں کے مخالف ہے اس کی تابعداری کرنے والوں کے کفر وشرک میں کوئی شک نہیں ہے البتہ جس کی بصیرت اللہ نے سلب کرلی ہو اور وحی کے نور سے محروم ہو وہ ان لوگوں کے کفر وشرک میں شک کر سکتا ہے۔

شیخ مزید فرماتے ہیں اللہ کے حکم میں شریک کرنا اور اسکی عبادت میں شریک کرنا ایک ہی معنی ومفہوم رکھتا ہے ان میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے جو شخص اللہ کے نظام کو چھوڑ کر غیر اللہ کے نظام کو اپناتے ہیں اس کے قوانین کے بجائے دوسروں کے قوانین کی اتباع کرتا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسابت کی عبادت کرنا اور اس کے آگے سجدہ کرنا ان میں کسی بھی لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے دونوں ایک ہی قسم کے عمل ہیں دونوں کے مرتکب کو مشرک وکافر کہا جائے گا۔(اضواء البیان:4/82-85)

شیخ عبدالرحمن بن محمد بن قاسم رحمہ اللہ آیت مذکورہ اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يَزۡعُمُوۡنَ........ کی تفسیر میں فرماتے ہیں جو شخص لا الہ الا اللہ کا اقرار کرلے اور پھر فیصلہ کوئی تنازعہ رسول ﷺ کے علاوہ کسی اور طرف لے جائے تو اس شخص کالا الہ الا اللہ کا اقرار جھوٹا ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی ان لوگوں کی مذمت کر رہا ہے جو دعویٰ ایمان کا کرتے ہیں اور اسکے باوجود تنازعات میں کتاب و سنت کو چھوڑ کر کسی اور طرف فیصلوں کے لئے جاتے ہیں اللہ کا قول اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يَزۡعُمُوۡنَ:........ مذمت ہے ان لوگوں کی جو کتاب و سنت سے منہ موڑتے ہیں اور دیگر باطل قوانین کی طرف رجوع کرتے ہیں جسے یہاں طاغوت کہا گیا ہے جیسا کہ ابن قیم رحمہ اللہ کا قول پہلے گذر چکا ہے کہ جس چیز کی وجہ سے انسان اپنے حد سے گذر جائے کسی کی عبادت کرکے اتباع کرکے یا اطاعت کرکے وہی چیز طاغوت ہے اسی طرح ہر وہ شخص جو کتاب و سنت کو چھوڑ کر کسی اور طرف اپنا تنازعہ لے جائے تو اس کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ وہ اپنا فیصلہ اس طاغوت کے پاس لے گیا جس کے بارے میں اللہ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ اس کا انکار کریں یعنی اس طاغوت سے انکار کریں جسے اللہ کے سوا حاکم کہا جاتا ہو اس لئے کہ فیصلے صرف کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی طرف اور اس شخص کی طرف جو کتاب و سنت کے مطابق فیصلے کرتا ہو لیجانا ہی واجب وضروری ہے جو شخص ان دونوں کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنا تنازع لے گیا تو وہ شخص اپنے حدود سے تجاوز کر گیا اور اللہ و رسول کے قوانین و شریعت سے نکل گیا اس طرح جس نے اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کی تو اس نے طاغوت کی عبادت کرلی یہی شخص ہے جو باطل کی طرف دعوت دینے والا شمار ہو گا یہ عمل توحید کے منافی ہے توحید کا معنی ہے ہر اس طاغوت کا انکار اللہ کے علاوہ جسکی عبادت کی جاتی ہو اسی طرح جس شخص نے اللہ و رسول ﷺ کے علاوہ کسی اور کے فیصلے کی طرف دعوت دی تو اس نے رسول ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کو چھوڑ دیا اس سے منہ موڑ لیا اور اس چیز کو اللہ کی اطاعت میں شریک ٹھہرا لیا اور رسول کی لائی ہوئی اس شریعت کی مخالفت کرلی جس کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (نساء:65)

(اے محمد ﷺ) تیرے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے متنازعہ معاملات میں تجھے حکم نہ تسلیم کرلیں اور پھر تیرے فیصلے سے اپنے دل میں کسی قسم کی تنگی (ناپسندیدگی) محسوس نہ کریں اسے مکمل طور پر تسلیم کریں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے ایمان کے دعوے کا انکار کیا ہے اور انہیں اس دعوے میں جھوٹا قرار دیا ہے اس لئے کہ لفظ یزعمون سے ان کے ایمان کی نفی کی گئی ہے کہ یہ لفظ اکثر اس دعویٰ کے لئے استعمال ہوتا ہے جو جھوٹا ہو پھر دوسری جگہ یہ بھی ارشاد ہے کہ:

وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ

انہیں حکم دیا گیا ہے کہ طاغوت کا انکار کریں۔

کفر بالطاغوت توحید کے ارکان میں سے ہے جس شخص نے اس رکن میں کمی کی اس میں خلل ڈالا تو وہ موحد نہیں کہلا سکتا اور جو شخص طاغوت کا انکار نہیں کرتا وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتا جبکہ توحید ایمان کی وہ بنیاد ہے جس پر ایمان کی صحت کا دارومدار ہے اس کے خراب ہونے سے اعمال برباد ہوجاتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى

جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا تو اس نے مضبوط کڑا تھام لیا(بقرہ:256)

شیخ احمد شاکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ ہمیں آیت:

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ........

میں یہ بتا رہے ہیں کہ جو شخص طاغوت سے فیصلہ کراتا ہے اور دعویٰ اسکا یہ ہے کہ وہ محمد ﷺ اور ان سے قبل نازل ہونے والی شریعتوں پر ایمان رکھتا ہے تو اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ لوگ منافق ہیں اس لئے کہ جب انہیں اللہ کی نازل کردہ شریعت اور محمد رسول ﷺ کے فرامین کی طرف بلایا جاتا ہے تو یہ اس سے رک جاتے ہیں۔ نفاق کفر کی بدترین اقسام میں سے۔(عمدۃ التفسیر 3/213)

شیخ حمود بن عبداللہ تویجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ دین سے بہت سے لوگ منحرف ہوگئے ہیں اور کسی نے کم کسی نے زیادہ انحراف کیا ہے بلکہ اب تو اکثر ارتداد (مرتد) اور دین اسلام سے مکمل طور پر خروج تک پہنچ گئے ہیں شریعت محمدیہ ﷺ کے علاوہ کسی اور قانون یا شریعت کے مطابق فیصلے کرانا یا فیصلہ اس کی طرف لیجانا بہت بڑی گمراہی اور نفاق اکبر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ آمَنُوْا بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْا اِلَى الطَّاغُوْتِ........وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا (النساء:60-61)

پہلی آیت کا ترجمہ گذر چکا ہے دوسری کا ترجمہ ہے جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ دین اور رسول ﷺ کی طرف آؤ تو آپ دیکھیں گے کہ منافقین آپ ﷺ سے ہٹتے ہیں رک کر۔(الایضاح والتبیین لما وقع فیہ الاکثرون من مشابهة المشرکین ص28)

یہ کچھ ائمہ کے اقوال تھے اس بارے میں کہ طاغوت کے پاس فیصلہ لیجانا اور اس پر ایمان لانا اللہ کا انکار شمار ہوتا ہے ان اقوال کو ابن کثیر نے اجماع کی حیثیت دی ہے اور کہا ہے کہ اجماع کہلانے کے لئے یہ اقوال کافی ہیں۔ لہٰذا یہ اجماع اور گذشتہ بیان کردہ قرآن و سنت کے واضح نصوص اس مسئلہ کی صراحت کے لئے کافی ہیں جس شخص کی نیت و ارادہ ہدایت کا ہو اس کے لئے اتنی مقدار کے دلائل بھی اطمینان کا باعث ہیں۔

سلف رحمہم اللہ نے تاتاریوں کے یاسق کیساتھ کیا برتاؤ کیا ہے؟

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۔ کیا یہ لوگ جاہلیت کے احکام و فیصلے چاہتے ہیں؟

قرآن کی اس آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی بات و عمل پر ناپسندیدگی کا اظہار کر رہا ہے جو اللہ کے محکم ہر خیر پر مشتمل اور ہر قسم کے شر سے مبرا حکم کو چھوڑ کر دیگر لوگوں کی ان آرائی و خواہشات اور اصطلاحات کی طرف جاتے ہیں جنھیں لوگوں نے وضع کیا ہے جس کی کوئی بنیاد اللہ کی شریعت میں نہیں ہے جس طرح دور جاہلیت کے لوگ اپنے گمراہ کن خیالات اور جہالتوں کی بنیاد پر فیصلے کرتے تھے جنھیں وہ خود اپنی آراء و خواہشات سے وضع کرتے تھے اور جس طرح تاتاری اپنی ملکی سیاسیات کے مطابق فیصلے کرتے تھے جو انہوں نے اپنے بادشاہ چنگیز خان سے لئے تھے جس نے ان کے لئے یاسق بنائی۔ یاسق اس کتاب کو کہتے ہیں جو کچھ احکام کا مجموعہ ہے جو چنگیز خان نے مختلف شریعتوں یہودیت نصرانیت اور اسلام وغیرہ سے اخذ کئے تھے اور بہت سے احکام وہ تھے جو اس نے صرف اپنی سوچ اور خواہش سے بنا رکھے تھے یہ کتاب اس کی اولاد میں قابل اتباع شریعت بن گئی اسے وہ لوگ کتاب اللہ و سنت رسول ﷺ پر مقدم رکھتے تھے یہ کام جو بھی کرے گا وہ کافر ہے۔

البدایہ والنہایہ میں فرماتے ہیں جس نے محکم شریعت جو محمد رسول اللہ ﷺ خاتم الانبیاء پر نازل ہوئی ہے کو چھوڑا اور دیگر منسوخ شدہ شرائع کی طرف اپنے تنازعات اور فیصلے لے گیا اس شخص نے کفر کر لیا تو پھر اس شخص کا کیا حکم ہے جو اپنے تنازعات یاسق کی طرف لیجاتا ہے اور اسے مقدم رکھتا ہے ایسا جس نے بھی کیا وہ باجماع المسلمین کافر ہے۔(ص13/128) یہ ابن کثیر کا قول ہے اور امت اسلامیہ نے اس پر اجماع کیا ہے کہ جس نے بھی اللہ کی شریعت کے علاوہ کسی اور قانون سے فیصلہ

کرایااس کی طرف اپنا مقدمہ لے گیا تو وہ کافر ہے۔ اُمت اسلامیہ کا بھی اس پر اجماع ہے کہ جس نے شریعت اسلامی کو چھوڑ کر کسی اور شریعت سے فیصلہ کرایا تو وہ کافر ہے اس طرح سلف رحمہ اللہ نے ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمہ اللہ کے زمانہ میں اس کفریہ طاغوتی شریعت کا رد کیا اس سے فیصلے نہیں کروائے نہ اسے پڑھانہ پڑھایا نہ اس کی تعلیم حاصل کی کسی قسم کا تعلق اس سے نہیں رکھا بلکہ ہر اس شخص کو کافر قرار دیا جو اس کی طرف اپنا فیصلہ لیکر جائے اس دور میں تاتاری شریعت کے ساتھ مسلمانوں کا یہ طرز عمل رہا جس کی وجہ سے وہ بہت جلد نابود ہو گئی اب اگر موجودہ دور کے مسلمان بھی غیر اسلامی شریعتوں کے ساتھ وہی سلوک کرتے جو اس دور کے مسلمانوں نے یاسق کے ساتھ کیا تو مسلمانوں کا یہ حال نہ ہوتا جو آج ہے کہ ہر معاملہ میں غیر اسلامی قوانین کے دست نگر ہیں۔

طاغوت کا فیصلہ جائز ماننے والوں کے شبہات

شبہ نمبر1۔ یہ ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں یہ تحاکم الی الطاغوت نہیں ہے بلکہ یہ تو درخواست یا مطالبات ہیں جن کے ذریعے سے حق حاصل کیا جاتا ہے اگر ایسا نہ کریں تو حق کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے (یعنی غیر اسلامی قوانین کو تسلیم کرنا یا ان کے فیصلوں کو ماننا یا انکی عدالتوں میں مقدمات لیجانا اپنا حق حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے)

ازالہ: یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ انسان کبھی کبھی ایسی بات منہ سے نکال دیتا ہے جس کی اگرچہ وہ پرواہ نہیں کرتا مگر وہ اتنی تلخ ہوتی ہے کہ اگر اسے سمندر میں ڈال دیا جائے تو وہ بھی کڑوا ہو جائے۔ اس طرح کی باتیں دراصل بہانے اور حیلے ہیں جو دین اور اللہ کے حرام کردہ امور کے خلاف تراشے جاتے ہیں حالانکہ ہر ذی عقل و شعور شخص اس بات سے اچھی طرح واقف ہے کہ کسی چیز کی حقیقت نام کی تبدیلی سے بدل نہیں جاتی۔

علامہ عبداللہ ابن عبدالرحمن ابابطین فرماتے ہیں جس نے اللہ کی عبادات میں سے کسی بھی قسم کی عبادت غیر اللہ کے لئے خاص کر دی تو وہ شخص اس چیز کی عبادت کرنے والا اسے الہ بنانے والا مشرک باللہ شمار ہو گا اگرچہ وہ کسی کو الہ یا معبود نہ بھی کہے کوئی اور نام رکھدے مگر نام کی تبدیلی سے اس کی معبودیت یا الوھیت تبدیل نہیں ہو گی (مجموعۃ التوحید) اسی طرح ہر مسلمان اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ کسی سے فیصلہ کرانا دراصل تنازعات میں اس کی طرف رجوع کرنے کا نام ہے اور یہ اعضاء جسم کا فعل ہے نہ کہ دل کا جبکہ تحاکم الی غیر اللہ اس وقت شمار ہو گا جب دل سے نیت کی ہو اس لئے کہ نیت سے یہ معلوم ہو گا کہ یہ شخص طاغوت سے فیصلہ کرانے کو افضل سمجھتا ہے اس لئے فیصلہ کروا رہا ہے جس طرح کہ سجدہ ہے یہ اس وقت سجدہ شمار ہو گا جب اپنے دل میں مسجود لہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ یہ سجدہ کا مستحق ہے ابن قیم رحمہ اللہ نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ کوئی عمل صرف اسی وقت عبادت شمار ہو گا جب اس کا کرنے والا یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ یہ عمل عبادت ہے ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں عبادت کی اقسام میں سے یہ بھی ہے کہ مرید اپنے پیر کو سجدہ کرے یہ شرک ہے جس میں مرید و

پیر دونوں مبتلا ہیں جبکہ حیرت اس بات پر ہے کہ وہ لوگ اس کو سجدہ نہیں کہتے بلکہ پیر کے آگے احتراماً سر رکھنا کہتے ہیں ان کو ہم یہی کہیں گے کہ تم اس عمل کا کوئی بھی نام رکھ لو سجدہ یہی ہے کہ کسی کے آگے سر زمین پر رکھ دیا جائے۔(المدارج 1 / 373)

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بھی مطعم بن عدی کے ہاں پناہ لی تھی اس اشکال کے جواب میں ہم کہیں گے کہ اگر انسان تحاکم کا معنی سمجھ جائے تو پھر یہ اشکال اس کے ذہن میں نہیں آئے گا تحاکم کا معنی ہے تنازعات میں اس شخص کی طرف رجوع کرنا جس کے ہاں فیصلے اور مقدمات لیجائے جاتے ہوں جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

اگر تم کسی معاملہ میں باہم جھگڑا کرو تنازعہ پیدا ہو جائے تو اسے اللہ ور سول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف لوٹا دو اگر تمہارا اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہو؟(النساء:59)

اس کو تحاکم کہتے ہیں کہ دو افراد میں کوئی تنازعہ ہو جائے اور وہ کسی ایسی اتھارٹی کے پاس فیصلہ کرانے جائیں جس کے پاس مقدمات لے جائے جاتے ہوں جب یہ فیصلے طاغوت کے پاس لیجائے جائیں تو پھر یہ کفر اور شرک اکبر شمار ہوتا ہے البتہ کسی کافر سے حمایت یا پناہ طلب کرنا کفر نہیں ہے اسلئے کہ اس کی حرمت کی کوئی دلیل نہیں ہے جبکہ یہ کام ابو بکر رضی اللہ عنہ کر چکے ہیں جب وہ ابن الدغنہ کی پناہ میں آئے تھے اور جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حبشہ ہجرت کی تھی تو نجاشی کے ہاں پناہ لی تھی۔

اسی طرح اس شخص کی بات بھی غلط ہے جو حلف الفضول کے عہد نامہ سے استدلال کرتا ہے جو ابن جدعان (البخاری فی الادب المفرد) کے گھر میں جاہلیت کے دور میں ہوا تھا کہ اسے تحاکم الی الطاغوت میں شمار کیا جائے اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ حلف الفضول میں شریک لوگ طواغیت نہیں تھے جس طرح کہ جہنیہ کے کاہن اور کعب بن اشرف وغیرہ لوگ اصل میں طواغیت تھے کہ یہ لوگوں کے درمیان طاغوتی فیصلے کرتے تھے جبکہ حلف الفضول والے مشرکین میں سے چند افراد کا ایک گروہ تھا جنھوں نے یہ عہد صرف اس بات پر کیا تھا کہ مظلوم کی مدد کریں گے اور یہ ایسی بات ہے کہ جس کی تعریف کی جانی چاہیے بلکہ اسلام نے تو اس پر بہت ترغیب دلائی ہے اس عہد کے بارے میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا (نبوت ملنے کے بعد) کہ میں اس عہد میں اپنے چچاؤں کے ساتھ شریک ہوا تھا اور اب بھی میں اس حلف کو توڑنا نہیں چاہتا اگرچہ مجھے بہت سارے سرخ اونٹ دیدئے جائیں اس حلف الفضول سے تحاکم الی الطاغوت پر استدلال کرنے والوں سے ہم یہ سوال کرسکتے ہیں کہ کیا نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا یہ قول کعب بن اشرف اور جہنیہ کے کاہنوں کے اقوال سے مطابقت رکھتا ہے جنکے پاس جاہلیت میں لوگ اپنے فیصلے لیجاتے تھے؟ اگر آپ کا جواب نفی میں ہے تو ہم کہیں گے کیوں نہیں؟ اگر آپ کہتے ہیں کہ اس لئے کہ وہ لوگ عدل سے فیصلے نہیں کرتے تھے ظلم ختم نہیں کرتے تھے رشوت لیتے تھے اب سوال یہ ہے کہ کیا ان کے پاس فیصلہ لیجانا اس لئے منع ہے کہ وہ عدل نہیں کرتے اور رشوت لیتے ہیں یا اس لئے منع ہے کہ وہ طاغوت ہے اور طاغوت کا انکار فرض

ہے ؟یہ پہلا سوال ہے دوسرا سوال یہ ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ ہم اس امید پر ان کے پاس مقدمات لیجاتے ہیں کہ شاید وہ عدل کرلیں جبکہ ظالمانہ فیصلہ کے امکان کے وقت ہم مقدمہ ان کے پاس نہیں لے جاتے تو سوال یہ ہے کہ یہ فرق تم نے کہاں سے لیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے تو ان کے پاس مقدمات و تنازعات لے جانے سے مطلقاً منع کیا ہے۔ یہ بتلا دیا ہے کہ جو ان کے پاس تنازعات لے جاتا ہے تو وہ طاغو کا انکار نہیں کر رہا(جو کہ مسلمان پر لازم ہے)۔

اللہ نے منع کرتے وقت اس بات میں فرق نہیں کیا ہے کہ اگر طاغوت عدل سے فیصلہ کرے تو صحیح اور اگر ظلم کا فیصلہ کرتا ہو تو مقدمات اس کے پاس نہ لے جاؤ۔ جو لوگ حلف الفضول کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں، ان کا استدلال صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ حلف الفضول میں شریک ہونے والے طاغوت نہیں تھے، انہوں نے لوگوں کے فیصلے نمٹانے کے لئے خود کو حاکم مقرر نہیں کیا تھا اور طاغوتی احکام کے ذریعے سے فیصلے نہیں کرتے تھے، وہ صرف مشرکین میں سے چند افراد تھے جنہوں نے ظلم کے خاتمے، مظلوم کی مدد پر عہد کرلیا تھا۔ یہاں ہم دو قسم کے افراد میں فرق واضح کرنا چاہتے ہیں۔ ایک قسم کے لوگ وہ ہیں جو صاحبِ حیثیت و اختیار لوگوں کے پاس جاکر ان کی حمایت طلب کرتے ہیں اور اپنے اوپر ہونے والے ظلم کے خاتمے کے لئے ان سے درخواست کرتے ہیں۔

دوسرے قسم کے لوگ وہ ہیں جو اپنے تنازعات ان لوگوں کے پاس لے جاتے ہیں جو طاغوتی جج ہیں، جنہوں نے خود کو زمین میں معبود بنالیا ہے، لوگوں کے فیصلے طاغوتی احکام کے ذریعے کرتے ہیں، جو لوگ ان کے پاس فیصلے لے جاتے ہیں ان کا یہ عمل اگر حالت اکراہ کے بغیر ہو تو یہ کفر ہے۔ اکراہ کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کو اپنے قتل یا کسی اور قسم کی تکلیف کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں وہ طاغوتی جج سے فیصلہ کرواسکتا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

من كفر بالله من بعد ايمانه الا من اكره و قلبه مطمئن بالايمان ولكن من شرح بالكفر صدرا۔

جس نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا، الاَّ یہ کہ اُسے مجبور کر دیا جائے جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو (تو اس کے کفر کا وبال نہیں ہوگا) ہاں اگر کسی نے شرح صدر کے ساتھ (کفر کیا تو وہ کفر شمارہ ہوگا)۔

لہٰذا مسلمان پر لازم ہے کہ ان باتوں کو مد نظر رکھے، بات کرنے میں جلدی نہ کرے، ناسمجھی میں صرف اپنے خیالات اور اندازوں کی بنا پر بات نہ کرے ورنہ شرمندگی اور مایوسی کے سوا کچھ نہ ملے گا۔

دوسرا شبہ: جن کے بارے میں آیات نازل ہوئی ہیں ان کی مذمت کی گئی ہے یہ لوگ طاغوت کے پاس فیصلہ اس لئے لے جارہے تھے کہ وہ اللہ کے فیصلہ پر خوش نہ تھے جبکہ ہم اللہ و رسول کے فیصلوں کو پسند کرتے ہیں، انہیں ناپسندیدگی کی وجہ سے نہیں چھوڑ رہے (بلکہ دنیوی مجبوریاں ہیں کہ طاغوتی حکومتوں کے ماتحت ہیں)۔

شبہے کا ازالہ

اس شبہے کا ازالہ متعدد طرق سے ہو سکتا ہے:

1۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَحَاکَمُوۡۤا اِلَی الطَّاغُوۡتِ

"یہ لوگ طاغوت کے پاس فیصلہ لے جانا چاہتے ہیں"۔

تو اس میں دل کے ارادہ کو شرط نہیں بنایا جس طرح کہ ان لوگوں کا خیال پہلے گزر چکا ہے۔ بلکہ شرط صرف یہی ہے کہ یہ لوگ طاغوت کے پاس فیصلے لے جاتے ہیں، اس میں یہودی و منافق کی حالت بتائی گئی ہے جو کعب بن اشرف کے پاس مقدمہ لے جانا چاہتے تھے۔ یہاں طاغوت سے وہی مراد ہے جبکہ یہودی کو یہ معلوم تھا کہ کعب بن اشرف رشوت لیتا ہے۔ لہٰذا وہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ اس لئے آیت میں لفظ "یریدون" سے مراد دل کا ارادہ نہیں ہے بلکہ ان دونوں کی حالت بیان کی گئی ہے۔ ارادۂ دل کفر کے لئے شرط نہیں ہے۔

2۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم اگرچہ فیصلے طاغوت کے پاس لے جاتے ہیں مگر اس عمل کا ارادہ نہیں کرتے جبکہ آیت میں ارادے کی مذمت کی گئی ہے۔ یہ بات بھی ان کی غلط ہے کہ ہم عمل تو کر رہے ہیں مگر ارادہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو کوئی عمل کر رہا ہو، کوئی کام کر رہا ہو اور اس کام کا ارادہ نہ کیا ہو۔ اس لئے کہ ہر کام سے پہلے ارادہ ہوتا ہے۔ کوئی کام بغیر ارادہ کے نہیں ہوتا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ ارادہ ہو مگر کام و عمل نہ ہو۔ ان لوگوں کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم عمل کر رہے ہیں مگر بغیر ارادہ کے فیصلے طاغوت کے پاس لے جاتے ہیں مگر اس کا ارادہ نہیں کرتے یعنی شرک و کفر تو کر رہے ہیں مگر ان کا ارادہ نہیں ہے۔ اگر ان کے قول کا یہی مقصد ہے تو ہم اس کا بھی ردّ پیش کریں گے مگر اور موقع پر۔

3۔ آیت مذکورہ ﴿الم تر الی الذین﴾ کی تفسیر میں امام ابو السعود کہتے ہیں: آیت میں تعجب و مذمت ان لوگوں کی ہے جو تحاکم الی الطاغوت کا ارادہ کرتے ہیں یعنی جب ارادہ ہی قابل مذمت ہے تو پھر عمل کتنا ناپسندیدہ ہو گا؟ حالانکہ بعض دفعہ ارادہ ہوتا ہے مگر عمل نہیں ہوتا۔ یہاں عمل یعنی تحاکم الی الطاغوت تو کیا اس کے ارادے کی بھی مذمت کی گئی ہے تو اس عمل کی قباحت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

4۔ اُمت مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ جو شخص اللہ کی عبادات میں سے کوئی بھی ظاہری عبادت غیر اللہ کے لئے کرے گا تو وہ شرک اکبر کا مرتکب مشرک کہلائے گا، ملت اسلامیہ سے خارج تصور ہو گا چاہے اس نے ارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو، اس عمل کو پسند کرتا ہو یا ناپسند کرتا ہو، سوائے اس شخص کے جسے ایسے عمل پر مجبور کر دیا جائے۔

5۔ اس طرح کی باتیں مشتبہ کہلاتی ہیں جبکہ اس کے مقابلے میں واضح حکم ہے جسے چھوڑ دیا گیا ہے وہ حکم ہے اللہ کا فرمان:

''وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ'' اور ''وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتِ''

''انہیں صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ طاغوت کا انکار کریں'' اور دوسری جگہ ارشاد ہے ''طاغوت سے اجتناب کریں''۔

علامہ شیخ سلیمان بن عبداللہ آل الشیخ کہتے ہیں:

وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ

میں طاغوت کے انکار کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ طاغوت کے پاس فیصلے لیجانا ایمان کے منافی ہے۔ لہٰذا ایمان اس وقت تک صحیح نہیں ہو گا جب تک طاغوت کا انکار نہ کر دیا جائے اور اس کے پاس فیصلے لے جانے سے رُکا نہ جائے۔ جو شخص طاغوت کا انکار نہیں کرتا، اس کا اللہ پر ایمان نہیں ہے۔ (تیسیر العزیز الحمید شرح کتاب التوحید ص 419) اب جبکہ ہم نے تحاکم الی الطاغوت کی ممانعت میں قرآن کا محکم حکم دیکھ لیا ہے تو ہمیں مشتبہ باتوں سے بچنا چاہیئے۔

امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں طاغوت کے انکار کی تعریف اور صورت یہ ہے کہ غیر اللہ کی عبادت کو باطل مانا جائے اسے چھوڑ دیا جائے اس سے نفرت کی جائے غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں سے نفرت و دشمنی کی جائے اگر ایک شخص غیر اللہ کی عبادت کو غلط اور باطل سمجھتا ہے مگر اسے چھوڑ نہیں رہا تو اسے کفر بالطاغوت نہیں کہا جائے گا اس طرح اگر غیر اللہ کی عبادت کے باطل ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے لیکن اس عبادت کو پسند کرتا ہے اس سے نفرت نہیں کرتا تو یہ بھی کفر بالطاغوت نہیں ہے۔ (مجموعۃ التوحید الرسالۃ الاولی)

6۔ اگر ارادہ سے مراد نیت کی پختگی اور عزم لیا جائے اور فعل کو ارادہ سے الگ رکھا جائے (یعنی فعل کیا جائے مگر ساتھ ساتھ یہ بھی کہا جائے کہ ہمارا پختہ ارادہ کرنے کا نہیں تھا) تو یہی بات جب قبروں کے پجاری کرتے ہیں کہ ہم قبروں کا طواف کر رہے ہیں اس کی عظمت و احترام کے قائل ہیں مگر ہمارا مقصد شرک کرنا نہیں ہے تو ان کی یہ بات کوئی بھی موحد تسلیم نہیں کرتا اس لئے کہ یہ باطل قول ہے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس شخص نے کوئی کفریہ قول منہ سے نکالا یا کفریہ عمل کیا وہ کافر ہو گیا چاہے اس کا ارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو اس لئے کہ کفر کا قصد و ارادہ کوئی بھی نہیں کرتا (مگر کفریہ اعمال کرتا رہتا ہے اس لئے ارادہ و قصد نہیں بلکہ عمل دیکھا جائے گا) (الصارم المسلول ص177-178)

سورہ کہف میں ہے:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا۔ (103-104)

(اے محمد ﷺ) کہہ دیجئے کیا میں تمہیں عملی خسارے میں جانے والوں کے بارے میں بتاؤں؟ جن کی سعی (و کوشش) دنیاوی زندگی میں ہی بیکار ہو گئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ بہتر عمل کر رہے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ان لوگوں کے قول کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ کسی کا عمل کفر باللہ تب شمار ہوگا جب اللہ کی وحدانیت کا علم ہونے کے باوجود وہ کفریہ عمل کا ارادہ وقصد کرے حالانکہ اس آیت میں اللہ نے ان لوگوں کے اعمال کی بربادی کی خبر دی ہے جو اپنے اعمال کو صالح اور نیک سمجھتے ہیں (اگر ان کا ارادہ کفر کا ہوتا تو یہ اپنے اعمال کو صالح کبھی نہ سمجھتے)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دین سے نکل جاتے ہیں حالانکہ ان کا ارادہ دین سے نکلنے کا نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ کسی اور دین کو اسلام پر ترجیح دیتے ہیں نیز فرماتے ہیں بعض علماء نے طبری کی اس بات کی تائید کی ہے کہتے ہیں اس آیت میں ان لوگوں کی رائے کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ اھل قبلہ میں سے کوئی شخص صرف اس صورت میں اسلام سے خارج ہوگا جب وہ خارج ہونے کا ارادہ کرے اور اسے معلوم ہو کہ میرا قول یا عمل اسلام سے خروج کا سبب بنے گا پھر بھی وہ اس کا ارتکاب کرے یہ رائے باطل اور غلط ہے اسلئے کہ حدیث میں خوارج کے بارے میں آتا ہے۔

یقولون الحق ویقرون القرآن ویمرقون من الاسلام ولا یتعلقون بشئی۔

وہ لوگ حق بات کریں گے قرآن پڑھیں گے مگر اسلام سے نکل گئے ہوں گے انکا کسی قسم کا تعلق اسلام سے نہیں ہوگا۔(فتح الباری:12/269-267)۔

ابن قدامہ الکافی میں فرماتے ہیں اکثر انسان اس وجہ سے مرتد ہوتا ہے کہ اس کے ذہن میں اسلام کے بارے میں شبہ پیدا ہوجاتا ہے (یعنی ارادہ مرتد ہونے کا نہیں ہوتا پھر بھی مرتد ہوجاتا ہے)،(الکافی لابن قدامۃ المقدسی (4/159 باب حکم المرتد)

یہ لوگ جو کچھ (ان مزاروں اور قبروں کے پاس) کر رہے ہیں کہ ان کا قصد کرکے ان کے پاس جانا ان کی طرف متوجہ ہونا ان سے دعائیں قبول کرنے کی امید رکھنا حاجات پورے ہونے کا یقین رکھنا فریادیں سننا کیا یہ وہی عمل نہیں ہیں جو مشرکین عرب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل لات، عزی مناۃ کے لئے کرتے تھے؟ یہ وہی عمل ہے اسمیں اور ان کے عمل میں کوئی فرق نہیں ہے کیا ان اعمال کی وجہ سے کوئی مسلمان کافر قرار دیا جاسکتا ہے اس کا ایمان ختم ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر اس کا فیصلہ آپ کے لئے مشکل ہو تو اپنی مثال قبر کے اس مردے کی سی سمجھ لو جو فرشتوں کے سوالوں کے جواب میں کہے گا کہ مجھے کچھ پتہ نہیں میں تو وہی کہتا تھا جو لوگوں سے سنتا تھا اور اگر آپ کہتے ہیں کہ ایمان پھر بھی موجود رہے گا تو دلائل سے ثابت کریں اگر آپ کہتے ہیں کہ اس کا ارادہ اس طرح کا نہیں تھا تو پھر آپ صحیح دلائل سے (ارادوں کا یہ) فرق ثابت کریں۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ چونکہ یہ شخص مسلمان ہے لہٰذا اسکا اسلام اسے کفر سے بچائے گا اگرچہ کیسے ہی عمل کیوں نہ کرے تو پھر آپ کتاب الاقناع کا باب حکم المرتد کا مطالعہ کریں تاکہ مسئلے کی صحیح صورت حال آپ پر واضح ہوجائے (مجموعۃ الفتاوی)۔

نیز فرماتے ہیں کہ شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ جب حدیث میں خوارج کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ دین سے خارج ہوں گے آپ ﷺ نے ان کے قتل کا حکم دیا تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ خلفائے راشدین کے دور میں ایسے لوگ ہوسکتے ہیں جو اسلام کی طرف خود کو منسوب کرتے ہوں مگر دین سے خارج ہوں حالانکہ بہت بڑی بڑی عبادات بھی کرچکے ہوں تو پھر ثابت ہوا کہ موجودہ دور میں بھی ایسے لوگ ہوسکتے ہیں جو خود کو اسلام اور سنت کی طرف منسوب کرتے ہوں مگر وہ بھی اسلام سے خارج ہوں (تاریخ نجد ص367)۔

امام صنعانی اپنے رسالہ تطهير الاعتقاد عن ادران الشرك و الالحاد میں فرماتے ہیں کہ اگر آپ کہیں کہ یہ (قبر پرست وغیرہ)اس بات سے لاعلم ہیں کہ وہ جو عمل کررہے ہیں وہ ان کو مشرک بنارہاہے (یعنی انہیں معلوم ہی نہیں کہ ہمارے یہ اعمال شرکیہ ہیں)تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ فقہاء نے فقہ کی کتابوں میں یہ ثابت کیاہے کہ جس نے کلمہ کفر منہ سے نکالا وہ کافر شمار ہوگا اگرچہ اس کا ارادہ اس کلمہ کے معنی کا نہیں تھا اس لئے کہ انکا یہ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں اسلام اور توحید کی حقیقت کا پتہ نہیں ہے لہٰذا ایسی صورت میں تو وہ حقیقی کافر ہیں ہمارے خیال میں یہاں کچھ لوگوں سے غلطی ہوجاتی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص شرک اکبر شمار ہونے والے عمل کا مرتکب ہوجائے اور اس کی تاویل کرے تو وہ کافر وخارج عن الاسلام نہیں ہوگا اس کے لئے وہ دلیل کے طور پر مامون کا واقعہ پیش کرتے ہیں جب اس نے قرآن کو مخلوق کہا مگر تاویل کرکے تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے انہیں کافر نہیں کہا۔

یہ رائے جس کی بھی ہے نہایت ہی غلط ہے اس لئے کہ واضح شرک اور کفر (جیسا کہ عبادت میں اور اللہ کے رسول کا مذاق اڑانا)اور کفر خفی میں فرق ہے (جیسا کہ بعض کفریہ اقوال مگر ہوں اس طرح خفی کہ عام لوگ سمجھ نہ جائیں اس طرح اللہ کی صفات میں ایسی تاویل کہ بعض لوگوں کو اس کے بارے میں معلوم نہیں ہوسکتا جیسا اللہ کا کلام وغیرہ)

محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ بھی اس رائے کی حمایت کرتے ہیں جیسا کہ شیخ حسین بن غنام نے ان کی رائے نقل کی ہے وہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے قول کی تائید کرتے ہیں کہ شرک فی العبادۃ اور بعض خفیہ کفریہ اقوال ادا کرنے میں فرق ہے اس طرح شیخ عبد اللہ بن ابابطین علامہ اسحاق بن عبد الرحمن وغیرہ علماء نے بھی اس بات کی تائید کی ہے (کہ واضح شرک اور خفیہ شرکیہ اقوال میں فرق ہے)

3۔ تیسرا شبہ: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اگر تحاکم الی غیر اللہ شرک ہے بھی تو شرک اصغر ہے شرک اکبر کے درجے تک نہیں پہنچتا کہ اس کے مرتکب کو خارج از اسلام شمار کیا جائے جیسا کہ غیر اللہ کی قسم (شرک ہے مگر اسلام سے خروج کا سبب نہیں شرک اصغر ہے)

ازالہ: یہ بات ہر مسلمان جانتا ہے کہ جو عبادات صرف اللہ کے لئے کی جاتی ہیں جیسے رکوع، سجود، امید، رجوع، فریاد، ذبح کرنا ،نذر، طواف، تحاکم، خوف، بھروسہ، محبت، تعظیم وغیرہ کی تین اقسام ہیں۔

1۔ جن کا تعلق عقیدے کے ساتھ ہے۔2۔ جنکا اقوال سے تعلق ہے۔3۔ جنکا تعلق افعال کے ساتھ ہے۔

جن کا عبادات ظاہرہ کا تعلق اقوال و افعال کے ساتھ ہے جیسے دعاء: فریاد،، رکوع، سجود، ذبح، تحاکم وغیرہ ان میں سے اگر کوئی شخص کوئی بھی قول یا عمل غیر اللہ یعنی بت، مردے، یا طاغوت کے لئے کرے گا تو وہ شخص اپنے اس قول یا عمل کی بنا پر کافر اور شرک اکبر کا مرتکب قرار پائے گا ضروری نہیں کہ اس قول یا عمل کے بارے میں وہ اپنے اعتقاد کا اظہار کرے یا اسے جائز سمجھے۔ اسکا یہ قول یا عمل بہر حال غیر اللہ کی عبادت ہے جو کہ شرک اکبر ہے۔

عبادات باطنی جن کا تعلق اعتقاد سے ہے جیسے خوف، امید، محبت، تعظیم وغیرہ ان میں سے اگر کوئی قسم غیر اللہ کے لئے کرے گا تو اس کا اظہار زبان سے کر کے اسے عبادات قرار دینے والے کو کافر کہا جائے گا اس لئے کہ یہ قلبی خفی عبادات ہیں (جب تک کوئی شخص انہیں غیر اللہ کے لئے کرنے کے بعد زبان سے یہ اقرار نہ کرے کہ میں یہ عمل بطور عبادت کے غیر اللہ کے لئے کر رہا ہوں اس وقت تک اسے کافر اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ کسی کے دل کی بات اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا)

اب آتے ہیں شبہ کرنے والے کے قیاس کی طرف تو اس طرح کا قیاس باطل ہے اس لئے کہ اس نے توحید اور عبات کا معنی سمجھا ہی نہیں اور تحاکم لغیر اللہ کو غیر اللہ کی قسم پر قیاس کر لیا جو کہ صرف شرکیہ لفظ ہوتا ہے عبادت نہیں ہوتی (جبکہ تحاکم ایک عبادت ہے) یہاں اگر یہ سوال کیا جائے کہ بعض علماء نے تو اللہ کے نام کی قسم کو بھی عبادت کہا ہے ؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ علماء نے اللہ کے نام کی قسم کو عبادت تعظیم قرار دیا ہے یعنی اللہ کی قسم کھانے والا جب قسم کھا رہا ہوتا ہے تو وہ اس وقت جانتا ہے کہ اللہ کی ذات عظیم ہے اس قابل ہے کہ اس کے نام کی قسم کھائی جائے ایسی صورت میں قسم عبادت بن جاتی ہے اس لئے کہ اب اس کے ساتھ تعظیم بھی مل گئی ہے اس وجہ سے علماء نے کہا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کو شرک قرار دیا ہے مگر شرک اصغر ہے انسان ملت اسلامیہ سے خارج نہیں ہوتا جب تک کہ یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو کہ جس غیر اللہ کی قسم کھائی ہے وہ اس لائق ہے کہ اس کی قسم کھائی جائے مطلب یہ ہوا کہ علماء نے غیر اللہ کی قسم کھانے والے کو کافر قرار دینے کے لئے شرط لگائی ہے کہ وہ جس کی قسم کھا رہا ہے اس کی تعظیم کا عقیدہ رکھتا ہو اس لئے کہ ایسی صورت میں وہ عبادت کی ایک قسم یعنی تعظیم غیر اللہ کے لئے کر رہا ہے جبکہ تعظیم عبادت قلبی خفی ہے (اور عبادت کوئی بھی ہو غیر اللہ کے لئے جائز نہیں ہے) اگر کوئی شخص غیر اللہ کی قسم کھائے اور اس غیر اللہ کی تعظیم کا عقیدہ رکھتا ہو تو وہ شرک فی الالوہیت کا مرتکب قرار پائے گا اور مشرک قرار پانے کی وجہ یہ ہو گی کہ اس نے ظاہراً عبادت غیر اللہ کے لئے کی ہے ایسی صورت میں اس سے یہ پوچھنا بے فائدہ ہے کہ تمہارا عقیدہ تھا یا نہیں تھا ؟ اس طرح تحاکم عبادت ظاہری ہے جیسا کہ سجدہ، طواف، وغیرہ لہٰذا یہ بھی غیر اللہ کے لئے کرنا یعنی شریعت الٰہی کو چھوڑ کر کسی اور طرف لیجانے اور کرانے والا کافر ہے یہ تعظیم کی طرح قلبی خفی عبادت نہیں ہے کہ معلوم کیا جائے کہ تمہارا عقیدہ کیا تھا (خلاصہ یہ ہے کہ خفی عبادات میں عقیدے کا سوال کیا جائے گا جبکہ ظاہری عبادات میں عقیدے کا سوال کئے بغیر ہی حکم لگا دیا جائے گا)۔

2۔　　یہ بات بھی ہر شخص جانتاہے کہ غیر اللہ کی قسم شروع اسلام میں منع نہیں تھی بعد میں اس کے منع کا حکم آیا جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے واضح ہوتا ہے۔

ان اللہ ینھاکم ان تحلفوا بآبائکم۔

اللہ تمہیں باپ دادوں کی قسمیں کھانے سے منع کرتا ہے (بخاری)۔

اب یہ قیاس کس طرح صحیح ہو سکتاہے کہ ایک عمل ایسا ہے جس سے شروع اسلام میں منع کیا گیا تھا بلکہ اسلام کی صحت کی شرط قرار دیا گیا تھا یعنی کفر بالطاغوت اور اللہ ورسول کے علاوہ کسی اور کا حکم ماننا اور دوسرا عمل وہ ہے جسے بعد میں ممنوع قرار دیا گیا تھا ان دونوں کو ایک درجہ پر کیسے رکھا جاسکتاہے؟ اگر اس قیاس کو صحیح مان لیا جائے دونوں کو ایک ہی درجے پر رکھا جائے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ کہ تحاکم الی غیر اللہ سے قبل مسلمانوں کے لئے جائز تھا کہ وہ کاہنوں اور اہل کتاب کے گمراہ و سرکش علماء کے پاس اپنے فیصلے لیجائیں؟ اس لئے کہ تحاکم کو بھی آپ نے قسم کی طرح قرار دے دیا ہے تو پھر یہ بات بھی تسلیم کرنی ہو گی۔

4۔　　بعض لوگوں نے اپنی اس رائے کے لئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے قول کو دلیل بنایا ہے جس میں آپ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے جن لوگوں نے اپنے احبار و رہبان (علماء و درویشوں) کو رب بنایا ہے کہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دینے والے انکے احکام کو مانتے ہیں ان لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔

1۔　　وہ لوگ ہیں جو اس بات سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں کہ ہمارے ان احبار و رہبان نے اللہ کا دین تبدیل کر دیا ہے اس کے باوجود بھی انکی اتباع کرتے ہیں اور اپنے علماء کو اس بات کا حقدار سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ کے حلال کردہ کو حرام اور حرام کردہ کو حلال کریں باوجود یہ کہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مخالفت کی ہے (اس طرح کا طرز عمل اختیار کرنا) کفر ہے۔

2۔　　دوسرے قسم کے لوگ وہ ہیں کہ ان کو علم ہوتا ہے کہ ہمارے علماء حلال کو حرام اور حرام کو حلال کے مرتکب ہیں اس کے بعد وہ ان علماء کی اطاعت دیگر معصیت کے اُمور میں کرتے ہیں جس طرح کے مسلمان معصیات کے مرتکب ہوتے ہیں یہ جانتے ہوئے کہ وہ معصیت کر رہے ہیں (جس طرح یہ مسلمان گنہگار ہیں مگر کافر نہیں) اسی طرح یہ لوگ بھی گنہگار ہیں مگر انہیں کافر نہیں کہا جائے گا۔ (مجموع الفتاوی 7/70)

ازالہ: جو لوگ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے قول کا سہارا لے رہے ہیں وہ لوگ دراصل اطاعت شرکیہ اور اطاعت معصیت میں فرق نہیں سمجھتے ہیں، اطاعت معصیت یہ ہے کہ کوئی انسان کسی گناہ میں کسی کی اطاعت کرے مگر یہ عقیدہ رکھے کہ یہ عمل گناہ ہے یعنی دل میں اس گناہ کو گناہ ہی سمجھتا ہو، اسے حرام سمجھتا ہو تو اس طرح کی اطاعت اطاعتِ معصیت کہلاتی ہے اس کا مرتکب ملت اسلامیہ سے خارج نہیں ہوتا اِلاَّ یہ کہ وہ اس گناہ کو حلال سمجھے۔

اطاعت شرکیہ یہ ہے کہ انسان کسی مخلوق کی اتباع یا اطاعت کسی شرکیہ فعل میں کرے مثلاً کوئی شخص کسی کو کہے کہ بت کو سجدہ کرو اور وہ کر لے یا اسے کہے کہ فلاں جن کے نام پر ذبیحہ کرو اور وہ کر لے یا اس کو کہے کہ اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر کسی اور قانون کے پاس فیصلہ لے جاؤ اور وہ اس پر عمل کر لے تو اس طرح کی اطاعت شرکیہ اطاعت کہلاتی ہے۔ اس کا مرتکب مشرک باللہ شمار ہو گا اگرچہ وہ اس عمل کو حلال نہ بھی سمجھتا ہو۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جس اطاعت کی بات کی ہے وہ اطاعت معصیت ہے، اطاعت شرکیہ نہیں ہے۔

2:　دوسرا جواب یا ازالہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ اطاعت اور تحاکم میں فرق ہے۔ اطاعت کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔ اطاعت معصیت اور اطاعت شرکیہ جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا، جبکہ تحاکم خالص عبادت ہے جس طرح کہ نذر، طواف وغیرہ جس نے غیر اللہ کے لئے یہ کر لیا وہ مشرک ہے۔ علماء نے اپنی کتابوں میں یہی لکھا ہے۔

شیخ عبد اللطیف بن عبد الرحمن بن حسن آل الشیخ کہتے ہیں:

> جو شخص سمجھ بوجھ رکھنے کے باوجود کتاب و سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر فیصلہ کسی اور کی طرف لے جاتا ہے وہ کافر ہے۔ (الدرر السنیۃ:10/426)۔

شبہ نمبر 5: بعض لوگ کہتے ہیں کہ کتاب و سنت کے علاوہ اگر کسی قانون کے مطابق فیصلہ کیا جائے تو وہ اس وقت ناجائز ہو گا جب وہ قرآن و سنت کے خلاف ہو، اگر ان کے موافق فیصلہ ہو جیسے عدل، لوگوں کو ان کا حق دینا وغیرہ تو یہ جائز ہے۔

ازالہ: یہ قول دو وجہ سے باطل ہے:

1۔　ہم یہ نہیں دیکھیں گے کہ فیصلہ عدل پر مبنی ہے یا ظلم پر بلکہ ہم وہ قانون دیکھیں گے جس کے مطابق فیصلہ ہوا ہے جس کی طرف رجوع کیا گیا ہے اس لئے کہ عدل کا حصول طاغوت کے ذریعہ سے ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ جب قرآن کی آیت يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ نازل ہوئی اور اس سے کعب بن اشرف مراد لیا گیا تو اس آیت میں کفر سے مراد اس کے فیصلے یا اس کی طرف فیصلے لے جانے کو قرار دیا گیا۔ آیت میں اس بات کو کفر کی علت نہیں بنایا گیا کہ کعب بن اشرف عدل سے فیصلے نہیں کرتا تھا، رشوت لیتا تھا۔

2۔ **دوسری توجیہ:** ہم بندے کا حق نہیں دیکھیں گے کہ اس کا فیصلہ عدل سے ہوا ہے یا ظلم سے، ہم معبود کا حق دیکھیں گے جو توحید ہے۔ کفر بالطاغوت ہے: طاغوت کے پاس فیصلہ نہ لے جانا اور لوگوں کو اس کام سے روکنا۔ جب ہم خود ہی فیصلے طاغوت کے پاس لے جائیں گے تو دوسروں کو اس سے کیسے منع کریں گے؟

شبہ نمبر 6: بعض لوگ کہتے ہیں کہ شرعی حکومت ہی نہیں ہے جو ہمیں ہمارے حقوق دلوائے جبکہ ہمیں اپنے حقوق چاہیئے ہیں (لہٰذا مجبوراً حقوق کے حصول کے لئے طاغوت کے پاس جانا پڑتا ہے)۔

ازالہ: اس قول کے بھی دو جواب ہو سکتے ہیں:

1۔ سب سے پہلے تو ہم ایسا کہنے والوں کو اللہ کا یہ قول یاد دلائیں گے:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ

یہ اس لئے کہ ان لوگوں نے آخرت پر دنیا کی زندگی کو ترجیح دی اسے پسند کیا۔ اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔(النحل:107)۔

محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اپنے رسالہ کشف الشبہات میں اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں:

اللہ نے صراحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ ان لوگوں کا یہ کفر اور عذاب ان کے اعتقاد یا ان کی جہالت یا دین سے نفرت اور کفر سے محبت کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس کا سبب دنیاوی مفاد تھا جسے دین پر ترجیح دی گئی۔

لہٰذا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو کہ دنیا کے کسی فائدے کو آخرت پر ترجیح دے چاہے وہ دنیوی فائدہ کوئی عہدہ ہو یا سرداری یا کوئی اور مفاد ہو یا دنیوی مال کے ضیاع کا خطرہ ہو۔ اس لئے کہ دین کی حفاظت مال کی حفاظت پر مقدم ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ترجمہ: دینار و درہم کا پجاری ہلاک ہو جائے (اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ) اگر اسے دیا جاتا رہے تو خوش رہتا ہے ورنہ ناراض۔(راوہ البخاری)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۔ (التوبہ:24)۔

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے کہہ دیجئے: اگر تمہارے باپ، بیٹے بھائی، بیویاں، رشتہ دار اور وہ مال جو تم نے کمایا جمع کیا ہے اور وہ تجارت جس کی مندی کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے اور وہ گھر جو تمہیں پسند ہیں اگر یہ سب تمہیں اللہ، اس کے رسول اور ان کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو پھر انتظار کرو کہ اللہ اپنا حکم (عذاب) لے آئے۔ اس لئے کہ اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔

غور کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دنیوی اسباب کی کتنی مذمت کی ہے جن کی وجہ سے جہاد ترک کیا گیا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان آٹھ چیزوں کی وجہ سے اگر توحید کو چھوڑ دیا جائے تو وہ زیادہ قابل مذمت ہے یا جہاد کو چھوڑنا۔ جب ان آٹھ اُمور کی وجہ سے تارکِ جہاد کی معافی نہیں ہے تو پھر تارکِ توحید کا عذر کیسے قبول کیا جا سکتا ہے؟ سوائے اس کے کہ کسی کو کلمہ کفر پر مجبور کر دیا جائے جیسا کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا گیا تھا مگر ایسی صورت میں رخصت ہوتی ہے۔ ان پر بامر مجبوری عمل کیا جا سکتا ہے مگر ایسے میں بھی عزیمت پر عمل افضل ہے یعنی ہر قسم کی تکلیف برداشت کر لی جائے مگر کلمہ کفر ادا نہ کیا

جائے۔ جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ شیخ عبدالرحمن بن حسن شیخ محمد بن احمد الحفظی کا قول نقل کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: عقل وخرد رکھنے والوں کو خبردار ہونا چاہیئے اور غفلت میں پڑے لوگوں کو توبہ کرنی چاہیئے کہ دین کی جڑ تک فتنہ پہنچ چکا ہے لہٰذا ضروری ہو گیا ہے کہ اپنا خاندان وکنبہ اپنی بیویاں مال تجارت گھر سب دین کی حفاظت کے لئے قربان کر دیں نہ کہ دین ان چیزوں کے لئے قربان کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلۡ اِنۡ كَانَ اٰبَآؤُكُمۡ . . . . الۡفٰسِقِيۡنَ۔ (التوبہ:24)۔

اس آیت پر غور کرنا چاہیئے، اسے سمجھنا چاہیئے کہ اللہ، اس کا رسول ﷺ اور جہاد ان آٹھوں چیزوں سے زیادہ پسندیدہ ہوں یعنی آٹھ کے آٹھ سے زیادہ نہ کہ ایک دو یا ان سے کمتر کسی چیز کو زیادہ پسند کیا جائے۔ کسی بھی مسلمان کی نظر میں دین ہی تمام چیزوں سے زیادہ قیمتی ہونا چاہیئے۔ تو یہ تمام اُمور سے اہم ہونا چاہیئے۔ (الدرر السنیۃ 8/259)

2۔ ہم ایسے لوگوں کو (جو شبہ 6 میں مبتلا ہیں) اللہ کا یہ فرمان یاد دلائیں گے۔

> وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡنِ O مَاۤ اُرِيۡدُ مِنۡهُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ وَّمَاۤ اُرِيۡدُ اَنۡ يُّطۡعِمُوۡنِ O اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الۡقُوَّةِ الۡمَتِيۡنُ O ۔ (الذاریات 56 تا 58)
>
> میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے میں ان سے رزق نہیں مانگتا اور نہ ان سے یہ کہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں اللہ ہی سب سے زیادہ رزق دینے والا ہے مضبوط قوت والا ہے۔

اللہ نے اس آیت میں انسانوں کی پیدائش کا مقصد بیان کیا ہے یعنی عبادت وبندگی۔ اللہ نے ان کے رزق کی ذمہ داری لی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

> اللہ فرماتا ہے اے ابن آدم! تو خود کو میری عبادت کیلئے فارغ کر دے (وقف کر دے) میں تیرا سینہ غنا سے بھر دوں گا میں تیری ضروریات پوری کر دوں گا اور اگر تو ایسا نہیں کریگا تو میں تیرا ہاتھ مصروفیات سے بھر دوں گا اور تیری محتاجگی ختم نہیں کروں گا۔ (رواہ احمد)

جو لوگ کہتے ہیں کہ شرعی حکومت نہ ہونے کی وجہ طاغوتی حکومت کے فیصلے ماننا مجبوری ہے انکی یہ بات دو وجہ سے باطل قرار دی جا سکتی ہے۔

1۔ ان لوگوں کو اضطرار اور اکراہ (مجبوری اور زبردستی) کا فرق معلوم نہیں ہے اس لئے انہوں نے اضطرار کو کفر کے لئے عذر تسلیم کر لیا ہے حالانکہ یہ غلط ہے اضطرار میں معصیت کا ارتکاب ہو سکتا ہے جبکہ کفریہ عمل یا قول صرف حالت اکراہ میں ہو سکتا ہے نہ کہ اضطرار میں اکراہ کا مطلب ہے کہ کسی کو قتل کی دھمکی دیکر یا سزا دیکر مجبور کیا جائے کسی کفریہ عمل یا قول پر۔

اضطرار کا معنی ہے کہ دو قسم کی مفسدہ ہوں ایک بڑی ایک چھوٹی حالت اضطرار میں بڑی خرابی چھوڑ کر چھوٹی کو اختیار کیا جائے (جیسے جان ہلاکت کے قریب ہو اور حلال نہ مل رہا ہو تو حرام کھا سکتا ہے کہ جان کی ہلاکت بڑا نقصان اور خرابی ہے ایسے میں حرام کا سہارا لیکر اس بڑے نقصان سے بچا جائے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ الرَّحِيْمٌ (البقرہ:173)

جو شخص مجبور ہو جائے وہ زیادتی کرنے والا یا باغی نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں (کہ وہ حرام کردہ مذکورہ فی الایت اشیاء میں سے کھالے) اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اکراہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی انسان کو ایسی سزا دی جائے کہ اس کی جان ہلاکت میں پڑ رہی ہو تو ایسی صورت میں خود کو قتل ہونے سے بچانے کے لئے کلمہ کفر منہ سے نکال سکتا ہے۔

شیخ حمد بن عتیق رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر سوال کیا جائے کہ اکراہ کیا ہے جس کی وجہ سے کفریہ کلمہ زبان سے نکالنا جائز ہو جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اکراہ کا جو سبب آیت قرآنی میں بیان ہوا ہے اس سے اکراہ کی صورت واضح ہوتی ہے۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ

جس نے ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کیا الا یہ کہ اسے مجبور کیا گیا ہو جبکہ اسکا دل ایمان پر مطمئن ہو۔(النحل:106)۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ آیت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی کہ جب مشرکین نے اس کو اور اس کے باپ یاسر اسکی ماں سمیہ اور صہیب، بلال، خباب، سالم کو پکڑ کر انہیں سزائیں دینے لگے سمیہ کو دو اونٹوں کے ساتھ باندھ دیا گیا اور نیزہ مار کر قتل کر دیا گیا اس کے شوہر یاسر کو بھی قتل کر دیا گیا یہ دونوں اسلام میں قتل ہونے والے سب سے پہلے مقتول (شہید ہیں) عمار کو میمون کنویں میں لٹکا دیا اور اسے کہنے لگے کہ محمد ﷺ کا انکار کر دے عمار نے ان کا کہا مان لیا جبکہ اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا (اس طرح انکی جان بچ گئی)

نبی ﷺ کو اطلاع مل گئی کہ عمار نے کفر کر لیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا عمار سر سے پاؤں تک ایمان سے بھرا ہوا ہے ایمان اس کے خون اور گوشت میں پیوست ہے عمار رضی اللہ عنہ روتے ہوئے نبی ﷺ کے پاس آئے آپ ﷺ نے پوچھا کیا ہوا؟ عمار رضی اللہ عنہ نے کہا بہت برا ہوا میں نے آپ کی شان میں گستاخانہ بات کی اور کفار کے معبودوں کی تعریف کی ہے آپ ﷺ نے پوچھا اس وقت تمہاری دلی کیفیت کیا تھی؟ عمار رضی اللہ عنہ نے کہا دل ایمان پر مطمئن تھا نبی ﷺ عمار کے آنسو پونچھتے رہے اور فرمار ہے تھے اگر وہ کبھی تمہارے ساتھ پھر ایسا کریں تو تم بھی ایسا ہی کرنا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ کچھ لوگ ہجرت کی نیت سے اپنے گھروں سے نکلے تو راستے میں کافروں نے انہیں پکڑ لیا اور ان سے زبردستی کفریہ کلمات کہلوائے تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی مقاتل کہتے ہیں یہ ایک غلام کے بارے میں نازل ہوئی

ہے جسے اس کے مالک نے کفر پر مجبور کیا تھا اب جس شخص کو بھی ان افراد کی طرح صورت حال در پیش ہو تو اس کے لئے وہ عمل جائز ہے جو ان لوگوں کے لئے جائز تھا عمار رضی اللہ عنہ نے اس وقت کفریہ کلمہ کہا جب اس کے باپ اور ماں کو قتل کر دیا گیا اور اسے مار پیٹ کر کنویں میں لٹکا دیا گیا اسی طرح ہجرت کرنے والوں کو مشرکین نے اور غلام کو اس کے آقا نے مجبور کیا انہیں مارا پیٹا گیا دھمکیاں دی گئیں یہی وجہ ہے کہ جب لوگوں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے سامنے عذر پیش کیا (کہ ہم بادشاہ کی غلط بات کی مخالفت اس لئے نہیں کرتے کہ ہم عمار رضی اللہ عنہ کی طرح مجبور ہیں) تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا کہ عمار کو تو کفار نے مارا پیٹا جبکہ تم کو صرف دھمکی دی گئی (اور تم اپنی بات سے پھر گئے؟)　　(الدفاع عن اھل السنة والاتباع للشیخ حمد بن عتیق)

2۔ جواب کی دوسری صورت یہ ہے کہ ہم ایک مثال دیتے ہیں کہ اگر بت پرستوں قبر پرستوں کی حکومت اور طاقت ہو اور وہ کسی انسان سے اس کا سب کچھ چھین لیں اور اس کی واپسی کی شرط لگائیں کہ جب تک بت یا قبر کا طواف نہ کر لو اس وقت تمہیں تمہارا مال واپس نہیں دیں گے تو کیا یہ شخص طواف کرلیگا؟ یا سجدہ کرلیگا؟ کہ وہ مال واپس لینے پر مجبور ہے؟ اور اگر وہ یہ کام کرلیتا ہے تو کیا یہ مجبوری اسے مشرک کہلانے سے روک دے گی؟

3۔ جواب کی تیسری صورت یہ ہے کہ اگر ہم تسلیم کرلیں کہ مال کو ضائع ہونے سے بچانا بھی اکراہ کی صورت ہے تو پھر ہم جب اکراہ سے متعلق شرعی دلائل جمع کرتے ہیں تو ہمارے سامنے اکراہ وعدم اکراہ کی صورتیں واضح ہو جاتی ہیں۔

پہلی دلیل:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ

جس نے ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کیا الا یہ کہ اسے مجبور کیا جائے جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔ (النحل:106)۔

دوسری دلیل:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ .... مَصِيْرًا۔ (النساء :97)

جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں تو پوچھتے ہیں: تم کس حال میں تھے؟ تو وہ کہیں گے کہ ہم ملک میں کمزور شمار ہوتے تھے فرشتے کہیں گے کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کر لیتے ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو مشرکین کے ساتھ ان کی تعداد بڑھانے کے لئے جنگ بدر میں نکلے تھے ان میں سے کچھ لوگ جنگ میں قتل ہو گئے کچھ

مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہو گئے نبی کریم ﷺ نے ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جو کافر قیدیوں کے ساتھ کیا کہ ہر شخص نے خود کو چھڑانے کے لئے فدیہ دیا۔

صحیح بخاری میں ہی ہے محمد بن عبد الرحمن ابی الاسود کہتے ہیں اہل مدینہ (مسلمانوں) کے خلاف لشکر تیار ہوا تو میں نے بھی اس میں اپنا نام لکھوا دیا پھر میں نے عکرمہ مولی ابن عباس سے اس کا ذکر کیا تو اس نے مجھے سختی سے منع کیا اور پھر کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا ہے کہ کچھ مسلمان مشرکین کی تعداد بڑھانے کے لئے ان کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لئے گئے کچھ ان میں سے تیروں سے قتل ہوئے کچھ تلواروں سے ان کے بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل کی اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ....

سعدی سے روایت ہے کہتے ہیں جب عباس، عقیل، اور نوفل قیدی بن کر لائے گئے تو نبی ﷺ نے عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا اپنا اور اپنے بھتیجے کا فدیہ دیں عباس رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کے رسول کیا ہم نے تمہارے قبلے کی طرف نماز نہیں پڑھی کیا ہم نے تمہارا کلمہ نہیں پڑھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا عباس تم آپس میں لڑے اور پھر مغلوب ہو گئے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی۔ اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً ۔ (کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی؟)

بخاری نے کتاب الجہاد میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہتے ہیں نبی ﷺ کے پاس بحرین کا مال آیا تو عباس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا اللہ کے رسول ﷺ مجھے بھی کچھ مال دیدیں کہ میں نے اپنا اور عقیل کا فدیہ دیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ لے لو۔

ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کو معلوم ہو یا غالب ظن ہو کہ وہ عنقریب کفر کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے اور اس نے کفریہ عمل یا قول کا ارتکاب کر لیا حالانکہ اس سے پہلے وہ اس شہر یا علاقے سے نکل سکتا تھا مگر نہیں نکلا تو اسکا عذر قبول نہیں وہ مجبور شمار نہیں ہو گا البتہ وہ شخص کہ جس پر کفار غالب تھے اور وہ نکلنے کی طاقت ہی نہیں رکھتا تھا اور کفار نے اسے کلمہ کفر پر مجبور کر لیا تو یہ اکراہ شمار ہو گا اس فرق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اکراہ کی کون سی صورت ہے اور کون سی نہیں ہے؟۔

شیخ سلیمان بن عبد اللہ رحمہ اللہ اپنے رسالہ حکم موالاۃ اھل الشرک میں آیت اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ .... (النساء:97) جو پہلے مذکور ہوئی۔

کا مطلب بیان کرتے ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ فرشتے ان لوگوں سے سوال کریں گے کہ تم کس گروہ میں تھے؟ مسلمانوں کے یا مشرکین کے؟ تو یہ لوگ عذر پیش کریں گے ہم کمزور و بے بس مسلمانوں میں سے تھے تو فرشتے انکا یہ عذر قبول نہیں کریں گے اور ان سے کہیں گے۔ اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا۔ کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم ہجرت کر لیتے؟ ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے کسی بھی عاقل

شخص کو اس بارے میں شک نہیں ہے کہ جو مسلمان مشرکوں کے ساتھ رہتے تھے کفر کے شہر میں اور جب وہ مجبوراً کفار کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے نکلے تو انہی کفار میں سے شمار ہوئے جیسا کہ مذکورہ آیت کے شان نزول میں واضح ہو چکا ہے کہ مکہ کے رہنے والے کچھ لوگ مسلمان ہوئے مگر ہجرت کرنے کے بجائے وہیں رہے جب بدر کی جنگ کا وقت آیا تو مشرکین انہیں اپنے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے مجبور کر کے لے گئے اور وہ مسلمان جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ مسلمانوں کو جب معلوم ہوا تو وہ افسوس کرنے لگے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اب اگر کفر کے شہر میں رہنے والوں کا عذر قبول نہیں تو پھر اس مسلمان شہر والوں کا عذر کیسے قبول ہو گا جو مسلمان ہیں مگر اسلام کا پٹہ اپنے گلے سے اتار لیا اور مشرکین کے دین کی موافقت کا مظاہرہ کیا ان کی اطاعت اختیار کر لی انکی مدد کی اور اہل توحید کو رسوا کیا ان کا راستہ چھوڑ کر کسی اور راہ چلے ان میں اہل توحید کو گالیاں دی جا رہی ہیں انہیں طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جا رہا ہے ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے ان کو توحید پر قائم رہنے اس پر ثابت قدم رہنے اس کے لئے جدوجہد کرنے کی وجہ سے بے وقوف سمجھا جا رہا ہے۔ اہل توحید کے خلاف خوشی و رضامندی سے مشرک و مسلمان متحد ہو چکے ہیں مسلمانوں کی اس میں کوئی مجبوری نہیں ہے یہ لوگ کفر اور جہنم کے زیادہ مستحق ہیں بنسبت ان مسلمانوں کے جنھوں نے کفار کے خوف اور وطن کی محبت کی وجہ سے ہجرت نہیں کی تھی اور مجبوراً کفار کے لشکر میں شامل ہو کر مسلمانوں کے خلاف جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے۔

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ ان مسلمانوں کے لئے یہ عذر کافی نہیں تھا کہ انہیں کافروں نے اپنے ساتھ جانے پر مجبور کر لیا تھا کیا یہ اکراہ کی صورت نہیں تھی؟ اسکا جواب یہ ہے کہ یہ عذر نہیں تھا اس لئے کہ ان کے پاس پہلے موقعہ موجود تھا کہ وہ کفار کے ساتھ ان کے شہر میں رہنے کے بجائے ہجرت کر لیتے تو یہ نوبت نہ آتی چونکہ اس موقعہ سے فائدہ نہیں اٹھایا اپنی خوشی سے وہاں رہتے رہے اب ان کی مجبوری اور اکراہ قابل قبول نہیں ہے۔ (مجموعۃ التوحید 1/305)

ایک جلیل القدر عالم کے یہ الفاظ اس فرق کو سمجھنے کے لئے کافی ہیں کہ اکراہ کس کو کہتے ہیں اور کس کو نہیں کہتے؟

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابو محمد بن الکرانی سے کسی نے سوال کیا اس شخص کے بارے میں کہ جنھیں بنو عبید نے مجبور کر کے اپنی دعوت میں شامل کر لیا ورنہ اسے قتل کر دیا جائے؟ ابو محمد نے کہا کہ وہ قتل ہونے کو ترجیح دے اس کا عذر قابل قبول نہیں ہے الا یہ کہ جب سب سے پہلے بنو عبید نے شہر پر قبضہ کر لیا اس وقت اگر کسی کو مجبور کیا تو وہ اکراہ کی صورت ہے ان کے ساتھ خوشی و رضامندی سے رہنے کے بعد اب اگر اسے مجبور کیا جا رہا ہے تو وہ مجبوری میں شمار نہیں ہے اب اسے یا تو قتل ہونا ہے یا فرار ہو کر کسی اور جگہ جانا ہے اس لئے کہ جب کسی مسلمان کو یہ اندیشہ ہو کہ کسی بھی وقت اسے شریعت پر عمل کرنے سے روکا جا سکتا ہے اور اس کے باوجود وہ وہاں رہ رہا ہے تو بعد میں کوئی عذر قبول نہیں ہے اس لئے علماء اور عبادت گذار لوگ ایسے مواقع پر فی الفور ہجرت کر کے نکل جاتے تھے کہ کہیں بعد میں خلاف شرع فتوے ان سے زبردستی نہ لئے جائیں اور عبادت سے نہ روکا جائے۔

4۔ چوتھی صورت جواب کی یہ ہے کہ پہلی مثال کی طرح ایک اور مثال ہم دے رہے ہیں کہ اگر کسی مقام پر ہزاروں مسلمان رہ رہے ہیں جہاں کفر کے مطابق فیصلے نہیں ہوتے مگر پھر کفار ان پر غلبہ حاصل کر لیتے ہیں اور ان کا مال چھین لیتے ہیں پھر ان مسلمانوں کو کہتے ہیں کہ تمہیں تمہارا مال اسی صورت میں واپس مل سکتا ہے کہ تم اللہ کو یا رسول ﷺ کو یا دین اسلام کو برا بھلا کہو یا قبروں اور اولیاء کے لئے ذبیحہ کرو اب مسلمان کافی سالوں تک یہ کام نہیں کرتے مگر آخر مجبوراً اپنا مال واپس لینے کے لئے کر لیتے ہیں تو کیا انہیں مجبور کیا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ اسکا جواب ہر شخص نفی میں دے گا تو ہم یہ کہتے ہیں کہ ایک پوری قوم اللہ کو گالی دے اور ایسا عمل کرے جو اسلام سے خارج کر دینے والا کافر بنا دینے والا ہو اور وہ لوگ جو سب کے سب طاغوت کے فیصلے مانتے ہوں ان میں کیا فرق ہے؟ جبکہ یہ بھی وہی کام کر رہے ہیں جو خروج عن الاسلام اور کافر بنا دینے والا عمل کر رہے ہیں۔

آخر میں ہم یہ کہیں گے کہ ایسے حالات میں ان فتنوں سے بچنے کی کیا صورت ہے؟ ہم ان فتنوں اور آزمائشوں سے نکلنے کی صورتیں بتاتے ہیں۔

1۔ قرآن نے اس کا طریقہ بتایا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ الرَّحِيْمٌ (البقرہ:218)

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی جہاد کیا اللہ کی راہ میں یہ لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (النحل:41)

جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی جبکہ ان پر ظلم ہو چکا تھا ہم انہیں دنیا میں اچھی بات کی خبر دیں گے اور آخرت کا اجر بڑا ہے اگر یہ جانتے ہوتے۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَ صَبَرُوْا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ الرَّحِيْمٌ (النحل:110)

پھر بات یہ ہے کہ تیرا رب ان لوگوں پر کہ انہوں نے وطن چھوڑا ہے بعد اس کے کہ مصیبت اٹھائی پھر جہاد کرتے رہے اور قائم رہے بیشک تیرا رب ان باتوں کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔

مَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً (النساء: 100)

جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ زمین میں پائے گا بہت جگہ اور کشادگی۔

اس آیت کی تفسیر میں ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سعۃ سے مراد رزق ہے یہی بات قتادہ و دیگر مفسرین نے بھی کی ہے قتادہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے آزمائشوں سے نکلنے کا پہلا راستہ ھجرت ہے۔ دارالکفر کو چھوڑ کر دارالاسلام کی طرف ہجرت۔ دارالکفر کی تعریف علماء نے یہ کی ہے کہ جہاں کفر کے احکام غالب و نافذ ہوں۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں جمہور کا قول ہے کہ دارالسلام اسے کہا جائے گا جہاں مسلمان رہتے ہوں اور اسلامی احکام نافذ ہوں جہاں اسلامی احکام نافذ نہ ہوں وہ دارالاسلام نہیں ہے (اگرچہ مسلمان وہاں آباد ہوں) (احکام اھل الذمۃ 1/166)۔

علمائے دعوت نجدیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کسی ملک یا شہر کو دارالکفر کب کہا جائے گا اس بارے میں ابن مفلح کہتے ہیں جس ملک میں مسلمانوں کے احکام رائج ہوں وہ دارالاسلام ہے اور اگر (مسلمانوں کی آبادی والے ملک میں) کفر کے احکام غالب ہوں تو وہ دارالکفر ہے ان دونوں قسموں کے علاوہ کوئی تیسری قسم نہیں ہے۔ (الدرر السنیۃ 7/353 کتاب الجہاد)

شیخ سلیمان بن سمحان النجدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب دارالاسلام پر کفار کا غلبہ ہو جائے کفر کی بنیاد وہاں فراہم ہو گئی ہے اپنے شعری مجموعہ دیوان عقود الجواہر میں فرماتے ہیں جب دارالاسلام پر کفار غالب آجائیں اور اعلانیہ کفر کے احکام جاری کردیں شرع محمدی ﷺ کے احکام بیکار چھوڑ دیں اس ملک میں کہیں بھی اسلام نظر نہ آتا ہو تو ہر محقق اسے دارالکفر کہے گا جیسا کہ مذاہب پر تحقیق کرنے والے علماء کہہ چکے ہیں (اگرچہ) ہو سکتا ہے اس میں کوئی نیک اور صالح عمل کرنے والا بھی ہو (مگر ایسے چند افراد کے نیک عمل سے وہ ملک دارالاسلام نہیں بنے گا جب تک کہ اسلامی احکام نافذ نہ ہوں)۔

شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ سے سوال کیا گیا کہ کیا آپ اس اسلامی ملک سے ہجرت کریں گے جہاں (لوگوں کا بنایا ہوا) قانون رائج ہو شیخ نے جواب دیا جس ملک میں ایسا قانون رائج ہو وہ اسلامی ملک نہیں وہاں سے ہجرت کرنا واجب ہے اسی طرح جب بت پرستی شروع ہو جائے اور کوئی روکنے والا نہ ہو تو ہجرت واجب ہے کفر کفر کو ہی رواج دے گا ایسے ممالک کفریہ ہیں اور ان میں کفر ہی بڑھتا رہے گا۔ (فتاوی الشیخ محمد بن ابراہیم 6/188)۔

2۔ دوسرا راستہ چھٹکارے کا یہ ہے کہ جو امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الایمان باب من الدین الفرار من الفتن میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں بیان کیا ہے کہتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہو سکتا ہے کہ عنقریب کسی مسلمان کا سب سے بہترین مال بکریاں ہوں جنہیں وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چرا رہا ہو اور اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لئے (شہروں، آبادیوں) سے بھاگ رہا ہو۔ (علیحدہ رہ رہا ہو)

3۔ تیسری صورت چھٹکارے کی یہ ہے کہ مسلمان موحد کو چاہیئے کہ ایسا ملک، شہر، گاؤں تلاش کرے کہ جس میں نہ کفر غالب ہو اور نہ اسلام نافذ ہو وہاں جا کر رہے تاکہ اپنے دین و دنیا کی حفاظت کر کے زندگی گذار سکے۔

4۔ چوتھی صورت ان گروہوں کے لئے ہے جنہوں نے نہ ہجرت کی اور نہ علیحدہ رہتے ہیں جیسے کہ وہ گاؤں یا شہر جو دارالکفر میں ہیں (مگر وہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے) کہ وہ اپنے ہاں کسی عالم کا تقرر کریں یا قاضی مقرر کریں جو ان کے فیصلے شریعت کے مطابق کرتا ہو اور یہ لوگ آپس میں معاہدہ کرلیں کہ اپنے تمام فیصلے اور تنازعات اسی عالم یا قاضی کے پاس لے جائیں گے امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مسلمان حکمران پر لازم ہے کہ وہ ہر شہر اور علاقے میں قاضی کا تقرر کرے جہاں ضرورت ہو یا صوبے کے گورنر کی ذمہ داری لگائے کہ وہ قاضی کا تقرر کرے اگرچہ وہ تقرر کرنے والا گورنر خود قاضی بننے کا اھل نہ ہو مگر پھر بھی وہ قاضی مقرر کرسکتا ہے اس لئے کہ یہ صرف مرکز کا نمائندہ ہے اس طرح جب مسلمانوں میں سے کسی کو قاضی مقرر کرنے کا اختیار مل جائے تو اسے چاہیئے کہ اپنے والد، بیٹے کو قاضی نہ بنائے جس طرح کہ یہ خود قاضی بننے کا مجاز نہیں ہے یا اگر شہر والوں سے کہا جائے کہ تم لوگ باہمی مشورے سے کسی کو قاضی بنادو تو یہ طریقہ بھی صحیح ہے۔(ابن کج کہتے ہیں صحیح رائے یہی ہے) (روضۃ الطالبین 8/106)

امام ابن قدامہ المغنی میں فرماتے ہیں اگر حکمران وقت کسی کو قاضی مقرر کردے تو یہ جائز ہے وہ قاضی اس حکمران کا ایک قسم کا وکیل ونمائندہ ہوگا جسے فیصلے کرنے کا اختیار ہوگا جیسا کہ خرید وفروخت میں مالک کسی کو نمائندہ مقرر کرتا ہے اور اگر حکمران وقت نے کسی کو یہ اختیار دیا کہ وہ قاضی کا تقرر کرے تو اس شخص کو اس بات کا اختیار نہیں کہ یہ خود قاضی بن جائے یا اپنے والد یا بیٹے کو قاضی بنائے جس طرح کہ کسی کو زکاۃ وصول کرنے کا اور تقسیم کرنے کا اختیار دیا جائے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ اپنے باپ یا بیٹے کو دے دے یا خود زکاۃ کا مال رکھ لے۔ الا یہ کہ باپ یا بیٹا اس عہدے کے اہل ہوں تو انہیں قاضی مقرر کیا جاسکتا ہے (جس طرح کہ زکاۃ کے مستحق ہونے کی صورت میں باپ یا بیٹے کو زکاۃ دے سکتا ہے) اس لئے کہ ایسی صورت میں باپ بیٹا بھی ان افراد میں شامل ہوں گے جن میں سے قاضی کا تقرر ہونا ہے (المغنی 11/383)۔

(اس بارے میں علماء کی آراء آگے تفصیل سے آنے والی ہیں ان شاء اللہ)

یہ چار صورتیں تھیں اس فتنے سے چھٹکارے کی اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ایسے تمام فتنوں اور آزمائشوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

آخر میں ہم شیخ سلیمان بن سمحان کا قول پیش کرکے اس بحث کو سمیٹتے ہیں شیخ سے سوال کیا گیا کہ حالت اضطرار میں طاغوت کے پاس فیصلہ لیجانا کیسا ہے؟ شیخ رحمہ اللہ نے جواب اس طرح دیا۔

1۔ جب آپ کو معلوم ہے کہ تحاکم الی الطاغوت کفر ہے تو اللہ کا فرمان ہے کہ کفر قتل سے بڑھ کر ہے۔

وَالۡفِتۡنَةُ اَكۡبَرُ مِنَ الۡقَتۡلِ۔ (البقرہ:217)

کفر قتل سے بڑھ کر ہے۔

وَالۡفِتۡنَةُ اَشَدُّ مِنَ الۡقَتۡلِ۔(البقرہ:191)

فتنہ قتل سے بڑھ کر ہے۔

فتنہ قتل سے زیادہ شدید ہے فتنہ سے مراد کفر ہے اگر کسی شہر یا گاؤں کے لوگ آپس میں لڑنا شروع کر دیں اور اس باہمی قتال میں سب مر کر ختم ہو جائیں تو یہ اس سے کم جرم ہے کہ ملک میں طاغوت مقرر کرکے اس کے ذریعہ سے خلاف شریعت فیصلے کرائے جائیں حالانکہ اللہ نے اسلام دے کر رسول کو مبعوث فرمایا ہے۔

2۔ جب تحاکم کفر ہو اور جھگڑے صرف دنیاوی اغراض کے ہوں تو ان کے لئے کفر کو کیسے جائز قرار دیا جا سکتا ہے؟ اس لئے کہ انسان صرف اس میں مومن ہو سکتا ہے جب اللہ اور اسکا رسول ﷺ اسے ہر چیز سے زیادہ پسند و محبوب ہوں یہاں تک کہ اپنے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ اگر کسی کی ساری دنیا برباد ہو رہی ہو تو اس کو بچانے کے لئے طاغوت کے پاس فیصلہ لیجانا جائز نہیں ہے اگر کوئی شخص آپ کو اس بات پر مجبور کرے کہ یا تو طاغوت کا فیصلہ مانو یا ساری دنیاوی دولت مال و اسباب سے دست بردار ہو جاؤ تو آپ کے لئے جائز نہیں کہ طاغوت کا حکم مان لیں۔ (الدرر السنیۃ 10/510) ہر مسلمان مرد و عورت جس کا ارادہ ہو کہ اپنے دین و توحید کی حفاظت کرے تو اسے چاہیئے کہ اپنا ہر تنازع علماء شرع کے پاس لے جائے جو ان کے تنازعات کا فیصلہ قرآن و سنت کے مطابق کریں۔

طاغوت کے پاس کوئی بھی تنازعہ لے کر نہ جائے اس لئے کہ طاغوت کے پاس فیصلہ لے جانا طاغوت پر ایمان لانا ہے اور اس کی عبادت میں شمار ہے لہٰذا ہر شخص کو اس بات سے ڈرنا چاہیئے کہ قیامت کے دن طاغوت کا تابعدار بن کر اٹھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو جمع کرے گا ان سے کہے گا جو شخص جس چیز کی عبادت کرتا تھا وہ اس کے پیچھے جائے تو سورج کے پجاری سورج کے پیچھے جائیں گے چاند کی پوجا کرنے والے چاند کے پیچھے طاغوت کی پرستش کرنے والے طاغوت کے پیچھے جائیں گے۔ (بخاری)

اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں مسلمان ہی زندہ رکھے اور اسلام کی حالت میں موت دے اور آخرت میں صالحین کے ساتھ اٹھائے۔ ہمیں دنیا میں فتنوں سے اور آخرت میں رسوائی سے محفوظ رکھے۔

و صلی اللہ علی النبی الامی محمد و علی آلہ وصحبہ اجمعین۔

شرعی قاضی نہ ہو تو کسی شخص کو حاکم بنایا جا سکتا ہے؟

ابو داؤد کی روایت کردہ حدیث ہے۔

اذا خرج ثلاثۃ فی سفر فلیامروا احدھم۔

جب تین افراد سفر میں جا رہے ہوں تو اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنائیں۔

اس حدیث کی شرح میں خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں آپ ﷺ نے یہ حکم اس لئے دیا ہے تا کہ یہ تینوں (یا زیادہ بھی ہوں) آپس میں متفق و متحد رہیں اپنی آراء کی وجہ سے کسی بات پر اختلاف نہ کریں اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب دو آدمی کسی کو اپنے کسی تنازعے کے لئے فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیں تو پھر اس شخص کا فیصلہ نافذ ہوگا اس پر عمل کرنا ہوگا۔ (معالم السنن:2/260)

ابو بکر بن منذر رحمہ اللہ کہتے ہیں اگر قاضی کے علاوہ کسی اور شخص نے کوئی فیصلہ کر لیا اور وہ جائز امور میں سے تھا تو وہ فیصلہ ماننا ہوگا اس پر علماء کا اجماع ہے یہاں قاضی سے مراد یہ ہے کہ دارالاسلام کے قاضی کے علاوہ کوئی اور قاضی ہو۔ اور ابن منذر نے یہ جو کہا ہے کہ وہ فیصلہ جائز امور میں سے ہو تو اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ شرعی لحاظ سے جائز ہو (کتاب الاجماع ص 75)
امام ابن قدامہ رحمہ اللہ المغنی میں فرماتے ہیں جب دو آدمی کسی کو اپنا حاکم (یعنی فیصلہ کرنے والا یا جج) بنالیں اور اس کے فیصلے پر رضامند ہوں اور وہ شخص قاضی بننے کی اہلیت رکھتا ہو تو اسکا کیا ہوا فیصلہ جو اس نے ان دو افراد کے مابین کیا ہو گا قابل نفاذ و قابل عمل ہو گا یہی قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے اس بارے میں دو قول منقول ہیں ایک میں وہ کہتے ہیں کہ جب دونوں فریق اس شخص کے فیصلے پر راضی ہوں گے تو تب نافذ ہو گا اسلئے کہ اس کا حکم دونوں کی رضامندی پر موقوف ہے اور رضامندی کا اظہار اس کے فیصلے کے بعد ہی ہو گا جبکہ ہماری دلیل ابو شریح کی روایت کردہ حدیث ہے کہ جس میں نبی ﷺ نے ان سے فرمایا کہ حکم اللہ کا نام ہے تو تم نے اپنی کنیت ابو الحکم کیوں رکھی ہے؟ ابو شریح نے کہا کہ اس لئے کہ میری قوم میرے پاس آتی ہے تو میں ان کے فیصلے کرتا ہوں اور فریقین میرے فیصلوں پر راضی ہوتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو بہت اچھی بات ہے پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ تمہارے بڑے بیٹے کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا شریح۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو تم ابو شریح ہو۔ (نسائی)۔

نبی ﷺ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے دو فریقوں میں فیصلہ کیا اور دونوں اس کے فیصلے سے راضی تھے پھر بھی اس شخص نے انصاف نہ کیا تو یہ ملعون ہے“۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس شخص کا فیصلہ قابل نفاذ و قابل عمل نہیں ہے تو پھر (عدل نہ کرنے پر) اس کی مذمت کیوں کی گئی ہے۔

اسی طرح دیگر واقعات بھی ملتے ہیں کہ کسی بھی اہل شخص سے فیصلے کرائے گئے ہیں۔ جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ اور ابی رضی اللہ عنہ زید رضی اللہ عنہ کے پاس تنازعہ لے گئے تھے عمر رضی اللہ عنہ ایک اعرابی کا تنازعہ شریح کے پاس لے گئے تھے جبکہ ابھی وہ قاضی نہیں بنا تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہ اور طلحہ رضی اللہ عنہ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے پاس اپنا فیصلہ کرانے گئے تھے حالانکہ وہ قاضی نہ تھے۔ (المغنی:11/383)۔

امام ماوردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر دو آدمی عوام میں سے کسی کے پاس اپنا تنازعہ فیصلہ کرانے کے لئے لیجائیں اگرچہ شہر میں قاضی موجود ہی کیوں نہ ہو تو اس شخص کا فیصلہ کرنا جائز ہے اس لئے کہ عمر بن خطاب اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما زید

بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس فیصلہ لے گئے تھے اسی طرح علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے امامت کے بارے میں فیصلہ کیا تھا تو دیگر امور میں بدرجہ اولی جائز ہے۔(الحاوی الکبیر 16 / 325)

قاضی ابو یعلی الحنبلی رحمہ اللہ الاحکام السلطانیہ میں فرماتے ہیں اگر کوئی ملک یا شہر قاضی سے خالی ہو محروم ہو اور اس شہر کے لوگ اس بات پر اتفاق کرلیں کہ کسی شخص کے فیصلے ان لوگوں کو ماننے ہوں گے۔(الاحکام السلطانیہ ص 73)

ابن عابدین حنفی کہتے ہیں اگر کفار کے غلبہ کی وجہ سے مسلمانوں کا سربراہ، نگران، حکمران نہ رہے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایک شخص کو فیصلوں کی اور جمعہ پڑھانے کی ذمہ داری پر مقرر کردیں نیز فرماتے ہیں جن شہروں یا ملکوں پر کفار حکمران ہیں وہاں کے مسلمانوں کیلئے جائز ہے کہ جمعہ اور عید کی نمازیں ادا کریں اور باہمی رضامندی سے ایک قاضی مقرر کردیں اپنا سربراہ بھی کسی کو بنالیں مزید فرماتے ہیں اگر (مسلمان) بادشاہ نہ ہو یا اور کوئی ایسا شخص جس کی رہنمائی حاصل کی جائے جیسا کہ بعض مسلم ممالک میں ہے جیسا کہ قرطبہ وغیرہ تو ایسے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی کو ذمہ داری سونپ دیں کہ وہ انکا قاضی بن کر ان کے تنازعات کے فیصلے کرے اور ایک امام مقرر کردیں جو انہیں جمعہ کی نماز پڑھائے۔(حاشیہ رد المختار علی الدر المختار 4 / 308 وبعضہ فی 3 / 253)

اقوام متحدہ کے فیصلے ماننا؟

اللہ کی شریعت کے بجائے دوسروں کے فیصلے ماننے کے عمل میں اقوام متحدہ کا سہارا بھی شامل ہے اس لئے کہ اس میں اقوام متحدہ کے فیصلوں اور قوانین کی پابندی کرنی پڑتی ہے اقوام متحدہ کے منشور ص 2 پر درج ہیں ان مقاصد کی تکمیل کے لئے ہم یہ عزم کرتے ہیں کہ ہم خود پر درگذر لازم کردیں اور سب مل کر باہمی امن و سلامتی کو یقینی بنائیں اچھے پڑوسیوں کی طرح رہیں اپنی تمام قوتیں اس مقصد کے لئے مجتمع کریں کہ تمام ممالک کی سلامتی اور تحفظ کی کوشش کریں اور ہم اس بات کی ضمانت دیں کہ مسلح قوت صرف مشترکہ مصلحت کے لئے ہی استعمال ہوگی اور تمام ممالک کے وسائل اقوام متحدہ میں شامل ممالک کی اقتصادی و معاشرتی ترقی کے لئے استعمال ہوں گے۔

اس منشور سے جہاد فی سبیل اللہ باطل ہو جاتا ہے جس میں اس بات کی ضمانت ہوتی ہے بلکہ جہاد کا مقصد اول یہ ہوتا ہے کہ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلائی جائے۔ اس طرح اس منشور کے ماننے سے جزیہ بھی باطل قرار پاتا ہے۔
اس طرح منشور کے ص 5 پیراگراف نمبر 1 میں اقوام متحدہ کے مقاصد میں ہے۔

1۔ حکومتوں میں باہمی امن و سلامتی اس مقصد کے لئے اقوام متحدہ میں شامل ممالک مل کر کوششیں کریں گے کہ ایسے اسباب کی روک تھام ہو سکے جن سے باہمی امن و سلامتی کو خطرہ ہو اور باہمی امن کو تباہ کرنے والے دشمنوں سے مشترکہ طور پر

نمٹنا اور سلامتی کے ذرائع اختیار کرنا ہو گا عدل و انصاف اور حکومتوں کے قوانین میں نرمی لانا تاکہ حکومتوں اور ملکوں کے درمیان ان تنازعات کا فیصلہ کیا جاسکے جن سے امن و سلامتی کو خطرات لاحق ہیں۔

2۔ اقوام عالم کے تعلقات کی بنیاد باہمی احترام، مساوات اور حقوق کی پاسداری پر مبنی ہوں گے تاکہ ہر قوم اپنے مقاصد کی طرف بڑھتی رہے اسی طرح امن عالم کو برقرار رکھنے کے لئے دیگر ذرائع بروئے کار لائے جائیں گے۔

3۔ حکومتوں اور ملکوں کے باہمی تعاون میں اقتصادی، معاشرتی، ثقافتی اور انسانی رنگ غالب ہو گا حقوق انسانی کا احترام بنیادی آزادی تمام لوگوں کے لئے اور تمام افراد عالم کو ان باتوں پر آمادہ کرنا انہیں ترغیب دلانا بلا تفریق رنگ و نسل و جنس، زبان اور دین۔

اس منشور کے پیراگراف نمبر 1 میں غور کریں کہ باہمی سلامتی کو تباہ کرنے والے دشمنوں سے نمٹنے اور عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے تمام حکومتوں اور ملکوں کے وسائل کو مشترکہ طور پر اختیار کرنا دراصل صراحت کے ساتھ جہاد کو باطل قرار دینا ہے اور دنیا کے ہر معاملے کا فیصلہ ان کے قوانین کے پاس لیجانا ہو گا جو کہ تحاکم الی الطاغوت ہی ہے اس طرح دوسرا پیراگراف دیکھیں جس میں حقوق و آزادی انسان کو بلا تفریق کہا گیا ہے اس میں یہ فرق ہی نہیں کیا جاتا کہ کون رب العالمین کے ماننے والے اس کی عبادت کرنے والے ہیں اور کون بتوں، صلیب، پتھر، گائے کے پجاری ہیں ہر ایک کے حقوق یکساں ہیں اب جو شخص اقوام متحدہ کا ساتھ دے گا وہ ان تمام باطل قوانین کو تسلیم کرے گا۔

پیراگراف نمبر 4 دفعہ نمبر 1 میں ہے اقوام متحدہ کی حمایت و تعاون ان تمام ممالک کو حاصل رہیگا جو اس کے منشور پر عمل پیرا رہیں گے اور جو دنیا میں امن و سلامتی کے لئے کام کریں گے اقوام متحدہ کے پاس اتنی قوت ہے کہ وہ اپنا منشور لاگو کر سکے اور اس کی کوششیں بھی اس کے لئے جاری ہیں پیراگراف نمبر 6 میں ہے جب اقوام متحدہ کے رکن ممالک میں سے اگر کسی نے اس منشور کی خلاف ورزی کی تو سلامتی کونسل اس کی رکنیت برقرار رکھنے یا نہ رکھنے کا فیصلہ کرے گی۔

ان کفریہ دفعات میں اس بات کی مکمل کوشش کی گئی ہے کہ جہاد جزیہ کافروں سے دوستی یا دشمنی کا اسلامی معیار ختم کر دیا جائے اور دین اسلام کو صرف ایک علاقے یا چند ممالک کا دین بنا دیا جائے اس کی عالمگیریت کو ختم کر دیا جائے کفار سے جنگ کرنی ہو تو وہ بت پرستوں کے جھنڈے تلے ہو اور ان کی اندھی آراء کے ماتحت ہو۔ دراصل موحدین کے خلاف یہ جنگ ہے تنازعات کے وقت ملکی قوانین کی طرف رجوع کرنا یا موحدین کے خلاف اس طرح کی جنگ کرنا اسلام سے ارتداد (کفر) ہے جو بھی ملک اقوام متحدہ کی رکنیت رکھتا ہے وہ اعلانیہ کفر کا علم بردار ہے اس لئے کہ اقوام متحدہ کے منشور میں کلمہ لا الہ الا اللہ کی واضح مخالفت موجود ہے اور اس کو ہم مندرجہ ذیل طریقوں سے ثابت کر سکتے ہیں۔

1۔ پیراگراف نمبر 4 اور 6 میں اس کا ثبوت موجود ہے اگر اقوام متحدہ کا سہارا لیا جائے تو؟

2۔ مسلمان موحد اور کافر بت پرست کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا گیا ہے نہ حقوق میں نہ فرائض میں اس طرح جزیہ ساقط کیا گیا ہے پیراگراف نمبر 1 دفعہ نمبر 3 میں گذر چکا ہے۔

3۔ جہاد فی سبیل اللہ ساقط کیا گیا ہے جیسا کہ پیراگراف نمبر 1 دفعہ نمبر 1 میں بیان ہو چکا ہے۔

4۔ فیصلے اکثریت کی بنیاد پر ہوتے ہیں اور قرار دادیں بھی اکثریت کی رائے کے مطابق پاس ہوتی ہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو اہمیت نہیں دی جاتی جیسا کہ پیراگراف نمبر 18 دفعہ نمبر 2 میں ہے اقوام متحدہ کے اجلاس میں اہم مسائل پر قرار دادیں دو تہائی اکثریت سے منظور ہوں گی یہ دو تہائی اکثریت اجلاس میں شریک ممالک کی رائے شماری میں حصہ لینے سے ثابت ہو گی اہم مسائل سے مراد ہے کہ حکومتوں اور ملکوں کے مابین سلامتی کے امور، سلامتی کونسل کے غیر مستقل ارکان کا انتخاب اقتصادی انسانی حقوق غربت کے خاتمے وغیرہ کیلئے کمیٹیوں کے ارکان کا انتخاب وغیرہ ہے۔

5۔ اقوام متحدہ کی قرار دادوں پر عمل درآمد کرانے والی امن فوج کی تمام تر ہمدردیاں کافر ممالک کے ساتھ ہوتی ہیں جنکا وہ عملی مظاہرہ بھی کرتی رہتی ہے اور سلامتی کونسل کے مستقل ارکان کے ساتھ زیادہ ہمدردی رکھتی ہے جن میں چین، فرانس، روس، برطانیہ اور امریکہ شامل ہیں سلامتی کونسل کے ان ارکان میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی اقوام متحدہ کی امن فوج انہی کی قیادت میں جنگ کرتی ہے۔(پیراگراف نمبر 23 دفعہ نمبر 1)

سلامتی کونسل کے مستقل ارکان میں 15 ممالک شامل ہیں وہ بھی اقوام متحدہ کے رکن ممالک میں سے ان میں جمہوریہ چین، فرانس، روس (اشتراکی جمہوریتیں) متحدہ برطانیہ، شمالی آئرلینڈ، امریکی متحدہ ریاست، یہ مستقل ارکان ہیں جبکہ دیگر دس غیر مستقل ارکان کا انتخاب اقوام متحدہ میں شامل دیگر ممالک میں سے کیا جاتا ہے مگر اس انتخاب میں بھی ایک خاص جغرافیائی یا دیگر پہلوؤں کو مد نظر رکھا جاتا ہے جس طرح کہ پہلے مختلف دفعات سے ثابت ہو چکا ہے کہ امن فوج ان ارکان کے تحت ہی جنگ کرتی ہے یعنی ان مشرک ممالک کے تحت (کوئی بھی اسلامی ملک سلامتی کونسل کے مستقل ارکان میں شامل نہیں ہے)

پیراگراف نمبر 46 میں درج ہے لازمی قانون یہ ہے کہ اقوام متحدہ کی امن فوج کو مسلح کاروائی کا اختیار صرف سلامتی کونسل کی قائم کردہ کمیٹی کے پاس ہی ہے۔

پیراگراف نمبر 47 دفعہ نمبر 1 میں ہے کہ امن فوج کو جنگی کاروائی کیلئے استعمال کرنے والی کمیٹی سلامتی کونسل کو مشورہ دیگی اور اسکا تعاون حاصل کریگی کہ امن قائم کرنے کیلئے اور سلامتی کونسل کے ماتحت اور اسکی قیادت میں مسلح کاروائی یا اسلحہ کی تلاش یا کسی کو غیر مسلح کرنا وغیرہ کیلئے ضروری ہے کہ سلامتی کونسل سے منظوری لے۔

پیراگراف نمبر 48 دفعہ نمبر 1 میں ہے سلامتی کونسل کی قرار داد جو امن عالم کے سلسلے میں ہو اس پر ارکان اقوام متحدہ تمام یا کچھ عمل کرائیں گے۔

6۔　دوستی اور دشمنی کا اسلامی معیار ختم کر دیا گیا ہے۔جیسا کہ پیراگراف نمبر 76 دفعہ ج میں ہے۔ حقوق انسانی کے لئے اقدام کرنا انسانی آزادی کے لئے جدوجہد جو کہ بلا تفریق جنس، زبان، دین، مرد عورت، ہو اور اقوام عالم میں سے جن جن کے آپس میں معاہدات ہیں ان کی پاسداری۔

6۔　یہ عہد کہ طاغوت کے پاس فیصلے لے جائے جائیں۔جیسا کہ پیراگراف نمبر 92 میں ہے۔

عالمی عدالت اقوام متحدہ کی اعلی اختیاراتی فیصلہ کرنے والی عدالت ہے یہ عدالت اقوام متحدہ کے بنیادی منشور کے مطابق عمل کرتی ہے اور یہ عدالت اس بنیادی نظام پر قائم ہے جو تمام ممالک میں عدل قائم کرنے کے لئے بنایا گیا ہے اور یہ اقوام متحدہ کے منشور سے انحراف کی مجاز نہیں ہے۔

پیراگراف نمبر 94 دفعہ نمبر 1 میں ہے اقوام متحدہ کا ہر رکن اس عہد کا پابند ہے کہ وہ عالمی عدالت انصاف کے فیصلے کو تسلیم کرے چاہے کسی بھی مسئلے سے متعلق فیصلہ ہو۔

ان تمام دفعات میں دین اسلام اور توحید جو انبیاء کرام لائے تھے ان سے مکمل متضاد و متصادم ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل:36)

ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا(وہ ان سے کہتا تھا)اللہ کی عبادت کرو طاغوت سے اجتناب کرو۔

اقوام متحدہ کی رکنیت حاصل کرنے والا ہر ملک کفر اکبر میں مبتلا ہو چکا ہے اس لئے کہ اس شمولیت کی وجہ سے تحاکم الی الطاغوت کی طرف چلا گیا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے اور اسی طرح جہاد، جزیہ کو باطل کر دیا مشرکین سے دوستی اور موحدین کے خلاف ان کی مدد کی ان اقوام کے ان جھنڈوں تلے جمع ہو گئے ہیں جن پر صلیب اور بت بنے ہوئے ہیں ان کے ملکی قوانین ورواج ان کے سرکاری رسوم کے تابع ہو گئے ہیں اور اس آئین کی پاسداری کا عہد کیا ہے جس میں منشور سے مکمل اتفاق اوراس پر عمل لازم ہے اور اقوام متحدہ کے قرار دادوں کی منظوری غالب اکثریت سے ہو گی رب کے حکم پر نہیں اگرچہ یہ قرار داد یہود سے قتال کی ممانعت ان کے ظالمانہ قبضوں کے جواز کی ہی کیوں نہ ہو اب کوئی بھی مؤحد حکومت اگر فی سبیل اللہ جہاد کرنا چاہے گی تو وہ اس ملحد اقوام متحدہ کے تحت ہی کرے گی کہ اس کے منشور میں ان حدود کی نشاندہی کی گئی ہے جس کے رو سے تمام انسان برابر ہیں چاہے مسلمان ہوں یا کافر سب کے حقوق و فرائض برابر ہیں ایسی صورت میں اب نہ جہاد رہا نہ جزیہ نہ غنیمت نہ قیدی اور یہ تمام قوانین ایسے ہیں کہ جن پر رکن ممالک کے لئے عمل کرنا لازم ہے وہ اسکا عہد کر چکے ہیں جو بھی ملک ان قوانین کی مخالفت کرے گا وہ خود ہی اقوام متحدہ کی طرف سے جنگ کا سامنا کرے گا اقوام متحدہ کے اس منشور کی اعلانیہ یا باطنی موافقت اسلام سے صریح ارتداد ہے۔

رسالہ سوم

اس رسالے میں ہم سلف صالحین کے انداز میں علمی رد کریں گے ان لوگوں کی آراء کا جو موجودہ قانون ساز اسمبلیوں میں شرکت کو جائز سمجھتے ہیں یہ رد دو طرح سے ہوگا نمبر 1 اجمالی انداز سے نمبر 2 تفصیلی۔ جس میں ان شبہات کا ازالہ کیا جائے گا جو اس مسئلہ کے بارے میں بعض لوگوں کی طرف سے وارد ہوتے ہیں۔

اجمالی ردّ

کسی مسلمان کو اس بات میں شک شبہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات ہیں جو اس کی مخلوق میں جاری و ساری ہیں مثلاً اللہ نے سب کو پیدا کیا انہیں رزق دے رہا ہے انہیں زندگی اور موت دے رہا ہے ان کے تمام امور کی تدبیر کر رہا ہے انہیں فائدہ و نقصان اس کی طرف سے پہنچ رہا ہے وہی ہر چیز کا مالک ہے وہ ان کو احکام دے رہا ہے۔ اس طرح کوئی مسلمان اس بات میں بھی شک نہیں کرتا کہ اللہ کے احکام میں سے یہ بھی ہیں کہ وہ حلال کرتا حرام کرتا ہے یعنی کسی عمل یا چیز کو حلال یا حرام قرار دینا اللہ کے اختیار میں ہے۔

حلال قرار دینے کی مثال یہ ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں کے لئے تمام پاکیزہ اشیاء حلال قرار دی ہیں جیسے کھانے پینے کی اشیاء اور نکاح کے ذریعہ سے عورتوں کو حلال قرار دینا۔

حرام قرار دینے کی مثال یہ ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں کے لئے تمام ناپاک چیزیں و افعال حرام قرار دی ہیں جیسے بدکاری شراب وغیرہ۔

شریعت: شریعت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے احکام و قوانین بنائے ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکاۃ، حدود، میراث وغیرہ توحید کا تقاضا یہ ہے کہ ہر موحد یہ عقیدہ رکھے کہ ان تینوں صفات میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔

اب اگر فرض کر لیا جائے کہ کوئی حکومت ایسی ہے جس نے ان امور کے حلال و حرام کرنے کا اختیار اپنا لیا ہے جو اللہ کے حرام کردہ یا حلال کردہ ہیں یا دیگر ایسے امور دنیا میں حلال و حرام جائز ناجائز قرار دینا شروع کر دیا ہے اور اس حکومتی اختیار کو حلال و حرام قرار دینے کا مجاز قرار دیا جائے تو کیا ہم مسلمانوں کے لئے جائز ہے کہ ہم دعوت یا اسلام کے لئے مصلحت کے بہانے سے اسمیں شمولیت اختیار کر لیں؟ کیا کسی بھی انسان کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اس اسمبلی میں کسی کو نامزدگی کے ذریعے سے مقرر کر دے اور نامزد کرنے والے کے بارے میں کیا حکم شرعی ہے؟ یا ایسی اسمبلی جس نے حلال و حرام قرار دینے کا اختیار اپنا لیا ہو اسمیں کسی کی تائید کرنے والے (کسی کو ووٹ دیکر ممبر منتخب کرنے والے) کا کیا شرعی حکم ہے؟

ان سوالوں کا جواب اتنا واضح ہے کہ ہر وہ مسلمان جانتا ہے جو لا الہ الا اللہ کا مقصد جانتا ہو نامزد کرنے والا شرک اکبر کا مرتکب ہوا ہے اور تائید و حمایت کرنے والا بھی اسی طرح برابر کا شریک ہے اس بات کی مخالفت صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو لا الہ الا اللہ کے مفہوم سے واقف نہ ہو اس لئے کہ توحید صرف تین امور کی بنا پر ثابت ہوتی ہے اور قبول ہوتی ہے۔

اعتقاد۔ قول۔ عمل۔

ایمان و توحید کے قبول کرنے میں سلف کا یہی عقیدہ تھا اگر کسی انسان کی نیت صحیح اور قول سچا ہے لیکن عمل ان کے مخالف ہے کہ وہ عمل شرکیہ ہے تو اس کو قول یا نیت کوئی فائدہ نہ دیں گے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ توحید کے لئے ضروری ہے کہ وہ دل، زبان، اور عمل سے ہو اگر ان تینوں میں سے کسی ایک کی بھی کمی رہی تو ایسا شخص مسلمان نہیں ہے۔

ایسا شخص جو ان اسمبلیوں میں جانا یا کسی کو بھیجنا جائز سمجھتا ہے اگر وہ یہ سوال کرے کہ ایسی مجلس یا اسمبلی جس میں حلال و حرام کے فیصلے ہوتے ہوں اور ایسی اسمبلی جس میں کچھ عقل مند لوگ آئیں رسم و رواج کے مطابق قوانین وضع کرتے ہوں اور ارکان مجلس کو اس کا حق بھی حاصل ہوتا ہے ان دونوں مجلسوں میں کیا فرق ہے ؟اسکا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ اگر اس قانون ساز اسمبلی نے کوئی قانون بنایا اور وہ شریعت سے متصادم ہوا یا شریعت سے آگے بڑھنے کی کوشش کی گئی تو وہ قانون مسترد ہو گا اس کے بعد غالب اکثریت سے ایسا قانون بنے گا جو شریعت کے موافق ہو گا اور یہ بھی حقوق اللہ سے متعلق نہیں بلکہ دیگر دنیوی امور سے متعلق ہو گا جبکہ اسمیں یعنی جس اسمبلی میں حرام و حلال کا اختیار حاصل کیا ہوا ہوتا ہے اس میں قانون سازی نہیں ہوتی بلکہ اللہ کی شریعت پر ایک اور شریعت بنائی جاتی ہے اور یہ جائز نہیں ہے اللہ کا ارشاد ہے:

اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّا نَاۡتِى الۡاَرۡضَ نَنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا‌ وَاللّٰهُ يَحۡكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكۡمِهٖ‌ وَهُوَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ (الرعد:41)۔

کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کی طرف آتے ہیں اور اس کے اطراف میں سے کمی کرتے ہیں اللہ حکم کرتا ہے اس کے حکم کا تعاقب کرنے والا کوئی نہیں ہے وہ اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔

یہ اجمالی جواب ہے ان لوگوں کو جو ان اسمبلیوں میں جانا جائز سمجھتے ہیں ہر مسلمان کو چاہیئے کہ ان الفاظ کو سمجھے اور ان لوگوں کو جواب دے اللہ کے ہاں خود کو ان لوگوں کے عمل سے بری قرار دلوائے۔

تفصیلی ردّ

پہلے ہم اس بات کے دلائل دیں گے کہ ان اسمبلیوں میں جانا حرام ہے اور یہ عمل شرک کے زمرے میں آتا ہے۔

پہلی دلیل: اللہ کا فرمان ہے:

اَمۡ لَهُمۡ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَهُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا لَمۡ يَاۡذَنۡۢ بِهِ اللّٰهُ (الشوریٰ:21)

کیا ان لوگوں کے ایسے شریک ہیں جو ان کے لئے ایسی شریعت بناتے ہیں جسکی اجازت اللہ نے نہیں دی؟

ہر مسلمان بخوبی جانتا ہے کہ زنا، چوری، بہتان کی سزائیں دین اسلام کے احکام میں سے ہیں مگر یہ ممبران اسمبلی ان کے لئے بھی قوانین بناتے ہیں حالانکہ یہ قانون سازی اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے جائز ہی نہیں اسی لئے ہم سمجھتے ہیں کہ جن کو ایسے قوانین کا اختیار دیا جارہا ہے انہیں اللہ کا شریک بنایا جارہا ہے جیسا کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے ایسے میں ہم نیت یا قول کو نہیں دیکھیں گے کہ جب یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان کرسیوں کی مثال بھی ایسی ہے جیسے دعوت کے لئے منبر ہیں یہ غلط ہے ان کرسیوں پر بیٹھنے والے خود کو کچھ بھی کہیں ہیں وہ قانون ساز کہ وہ قوانین وضع کر رہے ہیں اور آئین کی رو سے وہ اس بات کے مجاز ہیں لہٰذا یہ ایک ذریعہ ہے مشرع بننے کا اور مسلمان کے نزدیک مشرع (قانون ساز) بننے کا حق کسی کو نہیں یہ طریقہ جو اختیار کیا گیا ہے شرکیہ طریقہ ہے کسی بھی تاویل سے اس کی صورت تبدیل نہیں ہوسکتی نہ ہی کسی طرح اسے پسندیدہ کہا جاسکتا ہے شرکیہ اس لئے ہے کہ اللہ کی صفات کی نقل یا مشابہت کی جارہی ہے (قانون سازی کی صفت کی)۔

2دوسری دلیل۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ قانون ساز اسمبلی کے ارکان جب کسی مسئلہ پر باہم اختلاف کرتے ہیں تو اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے طاغوت یعنی آئین کی طرف رجوع کرتے ہیں اپنا یہ اختلاف وتنازعہ اپنے جیسے انسانوں کے مرتب کردہ آئین سے حل کراتے ہیں وہ آئین ہی ان کے تنازع میں حاکم وفیصل ہوتا ہے جبکہ یہ عمل اسلام وایمان کے منافی ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يَزۡعُمُوۡنَ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّتَحَاكَمُوۡۤا اِلَى الطَّاغُوۡتِ وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا بِهٖ وَيُرِيۡدُ الشَّيۡطٰنُ اَنۡ يُّضِلَّهُمۡ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا (النساء:60)

(اے محمد ﷺ) کیا آپ ﷺ نے ان لوگوں کو دیکھا ہے جنکا دعوی ہے کہ وہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ سے قبل نازل ہونے والی شریعتوں پر ایمان لائے ہیں جبکہ وہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے تنازعات طاغوت کے پاس لے جائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ طاغوت کا انکار کریں شیطان چاہتا ہے کہ انہیں دور کی گمراہی میں مبتلا کردے۔

علامہ شیخ سلیمان بن عبد اللہ اپنی کتاب تیسیر العزیز الحمید ص 419 میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں اس آیت میں دلیل ہے اس بات کی کہ طاغوت یعنی کتاب وسنت کے علاوہ دوسروں کے فیصلوں کو چھوڑنا فرائض میں سے ہے اور جو کتاب وسنت کے علاوہ کسی اور طرف فیصلے لیجاتا ہے وہ مومن نہیں بلکہ مسلمان تک نہیں ہے۔

علامہ محمد جمال الدین سلفی قاسمی رحمہ اللہ اپنی تفسیر محاسن التاویل میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ طاغوت سے فیصلہ کرانا طاغوت پر ایمان کہلاتا ہے اور طاغوت پر ایمان اللہ کے ساتھ کفر ہے جس طرح کہ اللہ پر ایمان طاغوت کا انکار ہے۔(اس بارے میں علماء کے اقوال پہلے گذر چکے ہیں)۔

3۔ تیسری دلیل:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا (النساء:59)

ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو صاحب اختیار ہوں (ان کا کہا مانو) اگر تم آپس میں کسی معاملے میں تنازع کر بیٹھو تو اسے اللہ اور رسول (کتاب و سنت) کی طرف لیجاؤ اگر تمہارا اللہ و یوم آخرت پر ایمان ہو؟ یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے انتہائی متوازن ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں یہ آیت قطعی دلیل ہے اس بات پر کہ لوگوں کے درمیان کسی بھی قسم کا دینی تنازع ہو وہ اللہ ورسول کی طرف لیجانا ضروری ہے اللہ ورسول کے علاوہ کسی اور طرف لیجانا جائز نہیں ہے جو شخص تنازع کسی اور طرف لیجانا حلال قرار دے تو وہ اللہ کے حکم کے متضاد فیصلہ کرتا ہے اور اگر کسی نے تنازع کے وقت اللہ ورسول کے علاوہ کسی اور طرف لیجانے کی دعوت دی تو وہ جاہلیت کی دعوت شمار ہوگی اس طرح کے لوگ ایمان میں داخل نہیں ہوسکتے جب تک کہ تمام تنازعات اللہ ورسول ﷺ کی طرف نہ لیجائیں اس لئے کہ آیت میں ان کنتم ...... میں ایمان کی شرط اس کو قرار دیا گیا ہے اور جب شرط معدوم ہوتی ہے تو مشروط خود بخود معدوم ہو جاتا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ جو شخص اللہ ورسول کے علاوہ کسی اور کو تنازعات میں فیصل و حکم بناتا ہے وہ اللہ، رسول اور آخرت پر ایمان کے تقاضوں کو پورا نہیں کر رہا ہے۔

دلیل کے طور پر یہی ایک فیصلہ کن آیت کافی ہے جس سے ماننے والوں کی تشفی اور نہ ماننے والوں پر حجت قائم ہوسکتی ہے۔(الرسالۃ التبوکیۃ للامام ابن قیم الجوزیۃ ص133 طبع دار ابن حزم)۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں آیت میں حکم ہے کہ تنازعات و اختلافات کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف لیجاؤ ﴿اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص تنازعات کتاب و سنت کی طرف نہیں لیجاتا تو اسکا اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں ہے۔

4۔ چوتھی دلیل: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان عالیشان ہے:

وَاللّٰهُ یَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ وَهُوَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ (الرعد:41)

اللہ فیصلہ کرتا ہے اس کے فیصلے کا تعاقب کرنے والا کوئی نہیں وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

اگر ہم یہ تصور کر لیں کہ قانون ساز اسمبلی کا کوئی رکن قوانین کا موازنہ شروع کرے اور اللہ کے احکام کو اسمبلی میں پیش کرے اور پھر اس کے نفاذ کے لئے تائید حاصل کرے اکثریت تلاش کرے اور اس کے بعد اگر اکثریت حاصل ہوتی ہے تو اللہ کا حکم قبول ہو گا اگر اکثریت نہیں تو حکم رد ہو گا دونوں صورتوں میں اللہ کے حکم کی اس توہین سے بڑھ کر کفر کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ رب العالمین کے حکم کو قبول یا رد کے لئے انسانوں کے سامنے پیش کر دیا گیا ایسی صورت میں پیش کرنے والا اور اس حکم کے رد یا قبول کا فیصلہ کرنے والا دونوں کفر اکبر میں مبتلا ہو گئے اس لئے کہ حکم کو اب قبول کرنے والے نے اس کے رد یا قبول کا اختیار انسانوں کو دے دیا اور اس کو انسانوں کے سامنے اس لئے رکھا کہ اس کو چیک کریں کہ قابل قبول ہے یا نہیں؟ اس طرح اس نے اللہ کا کلام انسانوں سے چیک کروا کر کفر کا ایک دروازہ کھول دیا ہم یہ بھی سوال کر سکتے ہیں کہ کیا اسمبلی کا یہ رکن اسمبلی سے تائید یا رد کیلئے اللہ کے دیگر احکام بھی پیش کرے گا جیسا کہ نماز کی رکعات کی تعداد کہ ظہر میں چار عصر میں چار یا پانچ رکعات ہونی چاہئیں یا کم و بیش اور پھر اسمبلی کی اکثریت جو فیصلہ کرے گی وہ نافذ ہو گا؟ اور آخری فیصلہ غالب اکثریت کا ہو گا؟ کیا یہ عمل کفر شمار نہ ہو گا؟ اگر ہو گا تو پھر کیا فرق ہے نماز کے احکام اور حدود و قصاص کے احکام میں کہ ایک کو اسمبلی کی صوابدید پر چھوڑنا کفر ہے اور دوسرے کو اسمبلی میں پیش کر کے تائید یا رد لینا کفر نہیں ہے؟

5۔ پانچویں دلیل:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى

جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لے آیا اس نے مضبوط کڑا تھام لیا (بقرہ:256)

طاغوت سے مراد یہی دستور آئین اور قوانین ہیں جو اللہ کے احکام کے مخالف ہیں یہ سب طاغوت ہیں کہ اللہ کے احکام سے آگے بڑھ رہے ہیں اللہ کے حکم کو چھوڑ کر لوگ ان کے پاس اپنے فیصلے لیجاتے ہیں انہوں نے بتوں کی صورت اختیار کر لی ہے جنکی پوجا رہی ہے ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ اس بات سے باخبر رہے کہ چار قسم کے معبود ہیں جنکی پوجا ہو رہی ہے صنم، وثن، الہ، رب، ایک لحاظ سے اگرچہ یہ الگ الگ ہیں مگر چونکہ اللہ کے علاوہ انکی پوجا ہو رہی ہے لہٰذا اس لحاظ سے ایک ہی ہیں۔

صنم: کہتے ہیں جمادات میں سے کسی انسان یا حیوان کی شکل پر کوئی مجسمہ بنایا گیا ہو (پتھر، لکڑی وغیرہ سے انسان یا حیوان کا مجسمہ)۔

وثن: جمادات میں سے ہر وہ چیز جس کی عبادت کی جائے چاہے اسے انسانی یا حیوانی شکل دی گئی ہو یا نہیں جیسے درخت، پتھر، قبر انسانوں کا بنایا ہوا دستور وغیرہ۔ اس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

اللهم لا تجعل قبري وثنا يعبد اشتد غضب الله على قوم اتخذوا قبور انبياء هم مساجد

اے اللہ میری قبر کو وثن نہ بنانا کہ اسکی پوجا ہوتی رہے اللہ کا غضب اس قوم پر بہت زیادہ ہوا جنہوں نے اپنے انبیاء کی، قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔ (موطاء امام مالک)

الٰہ: ہر وہ شے ہے جس کی طرف اللہ کی خاص عبادات میں سے کوئی عبادت پھیر دی جائے چاہے وہ انسان ہو زندہ ہو۔ جمادات میں سے ہو شکل بنائی گئی ہو یا نہ بنائی گئی ہو اس پر یہ اللہ کا یہ قول دلیل ہے۔

وَ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا۔ (نوح:23)

اپنے خداؤں کو نہ چھوڑنا ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر کو مت چھوڑنا۔

وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ (مائدہ:116)

جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے عیسی ابن مریم کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے علاوہ الٰہ بناؤ؟ وہ کہیں گے اللہ تو پاک ہے۔

رب: ہر وہ شئ ہے جس کے لئے اللہ کی ان عبادات میں سے کوئی عبادت بجالائی جائے جن کا تعلق ربوبیت سے ہے۔

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ

ان (اہل کتاب نے) اپنے علماء اور راہبوں کو اللہ کے علاوہ رب بنالیا ہے اور عیسی بن مریم کو حالانکہ انہیں صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ یہ ایک الٰہ کی عبادت کریں اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شرک سے۔ (التوبہ:31)۔

طاغوت: یہ لفظ تمام سابقہ اقسام کو مشتمل ہے اسمیں صنم، وثن، رب، الہ، سب داخل ہیں سوائے ان انبیاء و صلحاء کے کہ جنکی عبادت کی گئی یا کیجائے حالانکہ وہ اس پر راضی نہیں ہوتے ایسے لوگ کہ جنکی پوجا کی جائے اور وہ راضی نہ ہوں تو وہ اس پوجا سے اور پوجنے والوں کے گناہ سے بری الذمہ ہیں۔ جب ایک مسلمان کو یہ معلوم ہو گیا کہ معبود کی کتنی اقسام ہیں جنکی اللہ کے علاوہ عبادت کی جاتی ہے تو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ سب قسم کے معبود طاغوت ہیں لہٰذا وہ قوانین اور دستور جن کے پاس لوگ اپنے تنازعات لیجاتے ہیں اور وہ قوانین اللہ و رسول کے حکم کے خلاف ہوں تو یہ بھی طاغوت اور وثن میں شمار ہوں گے جو شخص کسی طاغوت کے احترام کی قسم کھالیتا ہے تو وہ طاغوت کا منکر نہیں ہے جبکہ طاغوت کا انکار توحید کا ایسا رکن ہے جس کے بغیر کوئی انسان مسلمان یا مؤمن نہیں ہو سکتا۔

علامہ عبدالرحمن بن حسن رحمہ اللہ آیت وقد امروا ان یکفروا بہ کے ضمن میں فرماتے ہیں اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ طاغوت کا انکار توحید کا رکن ہے جب کفر بالطاغوت نہ ہو گا تو توحید بھی نہیں ہو گا۔ (فتح المجید ص 345)۔

شبہات اور ان کا ازالہ

شبہ نمبر 1۔ کتاب مشروعیۃ الدخول الی المجالس التشریعیۃ کے ص 42 پر مصنف لکھتے ہیں کہ اگر اسلام کی شرائط اور لوازمات میں سے یہ ہوتا کہ کفار کے ساتھ کسی بھی فیصلہ کرنے والی کمیٹی یا اسمبلی سے دور رہنا ہے تو پھر نجاشی کی تعریف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نہ کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی وفات کے موقعہ پر کہا تھا کہ رجل صالح نیک آدمی تھا۔

ازالہ: ایسا لگتا ہے کہ مصنف کے پاس کوئی مضبوط دلیل یا عذر نہیں تھا اس لئے یہ دلیل پیش کر دی اس لئے کہ یہ دلیل نہیں بلکہ دین سے ناواقفیت ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کفار کے ساتھ عدم شراکت اسلام کے لوازمات میں سے نہ ہو جبکہ قرآن میں صراحت کے ساتھ اللہ کے احکام کو چھوڑ کر فیصلہ کرنے والوں کو ظالم فاسق کافر کہا گیا ہے اسی طرح اللہ نے ان لوگوں کو جھوٹا قرار دیا ہے جو دعوی تو اللہ کے نازل کردہ پر ایمان کا کرتے ہیں مگر فیصلے طاغوت کے پاس لیجاتے ہیں کفار کے ساتھ فیصلوں میں مشارکت سے گریز اسلام کے لوازمات میں سے کیسے نہیں ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے کفار اور جن چیزوں کی اللہ کے علاوہ پوجا ہوتی ہے۔ ان سے بیزاری و دوری کو واجب قرار دیا ہے اب کسی مسلمان کے لئے کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ کسی ایسی اسمبلی کا رکن بنے جو خود کو قانون ساز کہتی ہو جبکہ اللہ نے قانون ساز کو شریک اور رب کہا ہے مسلمان کے لئے کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کی شریعت کے خلاف کسی اور قانون کے پاس اپنا فیصلہ لے جائے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس تحاکم کو عبادت قرار دیا ہے اور جو شخص طاغوت کے پاس فیصلے لے جاتا ہے اسے مشرک کافر قرار دیا ہے اس لئے کہ غیر اللہ کے پاس اپنے فیصلے لیجانا کفر اکبر ہے اللہ نے ہمیں طاغوت کے انکار کا حکم دیا ہے اور اس کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ اس کے پاس فیصلے نہ لیجائیں اب جو شخص طاغوت کے پاس فیصلہ کرانے جائے گا تو وہ طاغوت کا منکر نہیں کہلائے گا اسلئے کہ طاغوت کے انکار کی شرط یہ ہے کہ اس کے پاس فیصلے نہ لیجائے جائیں۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں طاغوت کے انکار کی صورت یہ ہے کہ انسان یہ عقیدہ رکھے کہ غیر اللہ کی عبادت باطل ہے اسے چھوڑ دے اس سے نفرت کرے اور اس کو ماننے والوں کو کافر سمجھے ان سے دشمنی رکھے۔ (مجموعۃ التوحید) اب جو شخص غیر اللہ کی عبادت کو باطل سمجھتا ہے مگر اسے چھوڑتا نہیں تو وہ طاغوت کا منکر نہیں کہلا سکتا۔ جو شخص اس کو باطل سمجھے اور اسے چھوڑ دے مگر پھر اسے پسند کرتا رہے اس سے نفرت نہ کرے تو وہ بھی طاغوت کا منکر نہیں ہے۔

شیخ عبد اللطیف بن عبد الرحمن فرماتے ہیں کہ جو شخص کتاب و سنت کے علاوہ کسی اور طرف فیصلے لیجاتا ہے جبکہ اسے سب معلوم ہے تو وہ کفر کر رہا ہے۔ (الدرر السنیۃ 10 / 426)۔

مؤلف کتاب کو اللہ کا خوف کرنا چاہیئے کہ اس اہم مسئلے میں کسی کمزور دلیل کو بنیاد بنا رہے ہیں اگر چہ انکی نیت اچھی ہو گی اور ارادہ اصلاح کا ہو گا مگر اس طرح کی باتیں اسے کوئی فائدہ نہیں دیں گی اس طرح کی باتوں سے بہت بگاڑ پیدا ہوتا ہے بلکہ ہوا ہے یہ باتیں عدالتوں میں اور قانون پڑھانے والے اداروں تک اپنے اثرات پہنچا چکی ہیں اور اب وہاں (غیر اسلامی

قوانین میں) کوئی مضائقہ نہیں سمجھا جاتا اب ہم اللہ کا نام لیکر اس شبہے کا ازالہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس ازالے کی متعدد صورتیں ہیں مثلاً

1۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (البقرہ:111)

(اے محمد ﷺ) ان سے کہدو کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ نجاشی طاغوتی فیصلے کرتا تھا (پھر بھی نبی ﷺ نے اسکی تحسین فرمائی تو ان لوگوں کو چاہیئے کہ اپنے دعوی کے ثبوت کے لئے کوئی صحیح متصل سند والی خبر سے یا اجماع سے کوئی دلیل لائیں ان صحابہ کرام کا قول پیش کریں جو نجاشی کے ساتھ رہے اور انہیں نجاشی کے بارے میں تمام معاملات کا علم تھا یا یہ بتادیں کہ نجاشی اسلام قبول کرنے کے بعد بھی طاغوتی فیصلے کرتا تھا کوئی ایک فیصلہ ہی ایسا ثابت کردیں؟ (ورنہ دعوی بلا دلیل قبول نہیں کیا جاتا)۔

2۔ نجاشی کے واقعہ سے استدلال کرنا صرف قیاس ہے جبکہ قیاس کے لئے ضروری ہے کہ کسی نص میں کوئی مسئلہ بیان ہوا ہو اور اس کی علت کے اشتراک کی بنا پر کوئی مسئلہ غیر منصوصہ اس پر قیاس کیا جائے اور ان دونوں مسئلوں میں کوئی فارق بھی نہ ہو اور یہ بھی قیاس کے لئے شرط ہے کہ مقیس (فرع) کوئی نص بھی نہ ہو جبکہ یہاں تو بہت سے نصوص موجود ہیں کہ اللہ کے حکم کو معطل کرنا یا اسے حکم وضعی سے بدلنا کفر باللہ ہے بلکہ اللہ کی شریعت کے ہوتے ہوئے کسی اور طرف فیصلے لیجانا ایمان بالطاغوت ہے جیسا کہ پہلے آیت گذر چکی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ ......(النساء:60)

اور

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء:59)

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ تنازعات میں فیصلے اللہ کی شریعت کے پاس نہیں لیجاتے وہ حقیقت میں مسلمان نہیں ہیں بلکہ ان کا ایمان طاغوت پر ہے۔ (تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام العنان (1/398)

جب ہمارے پاس واضح نصوص دلائل موجود ہیں تو ہم کس طرح قیاس کو لے لیں جبکہ اصول یہ ہے کہ نص کے مقابلے پر قیاس سے استدلال کرنا باطل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قیاس کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ اصل حکم اور فرع میں فارق نہ ہو جبکہ یہاں معاملہ یہ ہے کہ اصل نجاشی کے عمل کو بنایا گیا ہے اور فرع اسمبلیوں میں داخلے کو جہاں کہ اللہ کے احکام کو معطل کیا جاتا ہے اور شریعت کے بجائے انسانوں کی مرضی پر قانون بنتے ہیں کہتے ہیں کہ نجاشی نے مصلحت کی بنا پر شریعت محمدی ﷺ کے مطابق فیصلے نہیں کئے لہذا ہم بھی مصلحت کی وجہ سے پارلیمنٹ میں جاتے ہیں (یعنی پارلیمنٹ میں جانا نجاشی کے عمل پر قیاس کیا گیا ہے) اس

کارد اس طرح کیاجاسکتاہے کہ جب ہمیں یہ معلوم ہوچکاہے کہ قیاس صحیح کے لئے ضروری ہے کہ اصل اور فرع میں فارق نہ ہو تو ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ قیاس فاسد ہے اس لئے کہ دونوں صورتوں میں فوارق موجود ہیں مثلاً

1 پہلا فارق ۔نجاشی کا انتقال اسلام کے قوانین مکمل ہونے سے قبل ہوگیا تھا اور اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ......(المائدہ:3) آج میں نے تمہارادین مکمل کر دیاہے اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے بطور دین اسلام کو پسند کر لیاہے یہ آیت حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی 13ھ میں جبکہ نجاشی کا انتقال فتح مکہ سے قبل ہوا تھا گویا نجاشی کی زندگی میں بہت سے اسلامی قوانین نازل و نافذ نہیں ہوئے تھے مثلاً سورہ مائدہ کو لے لیں جس میں اکثر احکامات ہیں دیگر صورتوں کی بنسبت اور اسی میں یہ حکم ہے کہ جو اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ کافر ہے یہ سورت نجاشی کے انتقال کے بعد نازل ہوئی ہے اسلئے کہ یہ آخری سورہ ہے نزول کے لحاظ سے اب نجاشی کے عمل پر جو کہ شریعت اسلامی کی تکمیل سے پہلے کاہے یہ اسمبلی کو کیسے قیاس کر سکتے ہیں جو کہ اسلامی شریعت کی تکمیل کے بعد وجود میں آرہی ہے۔

2 دوسرا فارق۔جب نبی ﷺ نے بادشاہوں اور حکمرانوں کو اس بات کا پابند نہیں کیا تھا کہ وہ اللہ کی شریعت کے بغیر کسی اور قانون کے مطابق فیصلے نہ کریں اس سے پہلے ہی نجاشی کا انتقال ہوگیا تھا یا جن بادشاہوں کو جزیہ کا حکم دیا گیا تھا جیسا کہ مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے قیصر و کسری اور نجاشی کو لکھا کہ اسلام کی دعوت قبول کر لیں یا جزیہ دیں (یہ وہ نجاشی نہیں ہے جسکی نبی ﷺ نے تعریف کی ہے)۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس نجاشی کو نبی ﷺ نے جزیہ کا اسلام قبول کرنے کا خط لکھا تھا وہ نجاشی دوسرا تھا اور جو آپ ﷺ پر ایمان لایا آپ ﷺ کے صحابہ کی تکریم و توقیر کی وہ نجاشی دوسرا ہے بعض راویوں نے ان دونوں میں فرق نہیں کیا جو کہ ان کی سہو ہے۔(زادالمعاد 3/690)۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب آپ ﷺ نے بادشاہوں کو خطوط لکھے واقدی کے بقول یہ ذی الحجہ 6ھ میں تھا جب عمرہ حدیبیہ ہو چکا تھا بیہقی کہتے ہیں یہ غزوہ موتہ کے بعد کا واقعہ ہے ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لئے کہ یہ سلسلہ خط و کتابت فتح مکہ سے پہلے تھا اس لئے کہ ابو سفیان نے ہرقل کے سامنے کہا تھا (جب اس نے پوچھا کہ محمد ﷺ غداری یا وعدہ خلافی کرتاہے)ہمارا ان سے ایک مدت تک معاہدہ ہے اب دیکھتے ہیں کہ وہ (محمد ﷺ) کیا کرتے ہیں بخاری میں ہے کہ یہ وہ وقت تھا جس میں نبی ﷺ کا ابو سفیان سے معاہدہ تھا (البدایہ والنہایۃ 298) پھر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے نجاشی کو بھی خط لکھا (جس میں اسلام قبول کرنے یا جزیہ کا مطالبہ تھا مگر یہ وہ نجاشی نہیں ہے جس کی نماز جنازہ نبی ﷺ نے پڑھائی تھی)۔

3 تیسرا فارق۔نجاشی ایک ایسی (آسمانی) شریعت پر قائم تھا جس کے اکثر احکام میں تحریف نہیں ہوئی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ (المائدہ:43)

یہ اہل کتاب آپ ﷺ کو کیسے حکم بناتے ہیں جبکہ انکے پاس توراۃ ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے۔

جبکہ موجودہ اسمبلیوں کی یہ حیثیت نہیں ہے۔جب اصل اور فرع میں یہ تینوں فارق پائے گئے تو یہ قیاس کو باطل کرنے کے لئے کافی ہیں اور اس طرح یہ قیاس فاسد قرار پاتا ہے۔

3 تیسرا ازالہ: نجاشی جس علاقے میں تھا وہ دور دراز اور علم سے بے بہرہ خطہ تھا نجاشی نے وہاں اسلام قبول کیا اور علماء نے کہا ہے کہ جو لوگ ایسے علاقوں میں رہتے ہیں ان کے لئے اتنی سہولت ہوتی ہے جو کہ دوسرے علاقوں والوں کے لئے نہیں ہو سکتی اسی طرح اس زمانے میں ذرائع مواصلات بھی آج کی طرح نہ تھے اس لئے بہت سے قوانین سالوں بعد جا کر پہنچتے تھے بلکہ بعض دفعہ تو ایسے علاقوں کے کچھ لوگ احکامات پہنچنے سے قبل انتقال کر جاتے تھے جبکہ وہی احکام دوسرے علاقوں میں کافی عرصہ سے مروج ہوتے تھے اس کی مثال ہم بخاری سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے پیش کرتے ہیں کہتے ہیں ہم نماز کے دوران ہی نبی ﷺ پر سلام کرتے تھے آپ ﷺ ہمیں سلام کا جواب دیتے جب ہم نجاشی کے ہاں سے واپس آئے تو ہم نے آپ ﷺ کو سلام کیا آپ ﷺ نے جواب نہ دیا بعد میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نماز میں مصروف تھا(اس لئے سلام کا جواب نہ دے سکا)حالانکہ عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کبار صحابہ اور علماء میں سے تھے اور نماز ایسی عبادت ہے کہ جو دن میں بار بار ہوتی ہے مگر اسمیں ہونے والی یہ تبدیلی ابن مسعود رضی اللہ عنہ تک نہ پہنچ سکی تو ایسا شخص جو دور دراز علاقے میں رہنے کے علاوہ عربی سے بھی واقف نہ ہو تو وہ بدرجہ اولی معذور ہے کہ اسے کسی حکم شرعی کی خبر نہ پہنچے۔

4۔　ایسے امور سے استدلال کرنا امور متشابہ میں شمار ہوتا ہے جبکہ ہمیں حکم یہ دیا گیا ہے کہ متشابہ کو چھوڑ کر محکم کی اتباع کریں اور محکم وہی ہے جسکا تذکرہ پہلے ہم دلائل کے باب میں کر چکے ہیں لہٰذا ایسے لوگوں پر صرف تعجب ہی کیا جا سکتا ہے جو محکم نصوص کو چھوڑ کر متشابہ ظنی خبروں سے استدلال کرتے ہیں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ

اللہ وہ ذات ہے جس نے آپ ﷺ پر کتاب نازل کی ہے اس میں کچھ آیات محکمات ہیں جو کتاب کی اصل ہیں۔(آل عمران:7)۔

طبری نے اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ محکمت سے مراد ہے ناسخ، حلال، حرام، حدود، فرائض، جن پر ایمان لایا جاتا ہے عمل کیا جاتا ہے اور واخر متشابہات (دوسری متشابہ ہیں) سے مراد ہے منسوخ، مقدم مؤخر، مثالیں اقسام اور جن پر ایمان لایا جاتا ہے مگر عمل نہیں کیا جاتا۔

نجاشی کا واقعہ بھی ایسا ہے کہ جب نبی ﷺ نے بادشاہوں کے پاس نمائندے بھیجے تھے تو اس سے نجاشی کے احکامات منسوخ ہو گئے اگرچہ اس وقت نجاشی کا انتقال ہوا تھا جیسا کہ مسلم کی روایت پہلے گذر چکی ہے کہ یہ وہ نجاشی نہیں تھا جس کی نماز جنازہ نبی ﷺ نے پڑھائی تھی۔

5۔ جو حاکم شرعی احکام کا مکلف ہونے کے باوجود غیر شرعی قوانین کے مطابق فیصلے کرتا ہے وہ سب کے نزدیک (کافر) ظالم، فاسق، فاجر ہے اس پر ان تمام فیصلوں کے گناہوں کا بوجھ ہو گا جو اسکی رعایا میں طاغوت کے ذریعے ہوں گے اس لئے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی نے قبر بنائی اور پھر لوگ اس قبر کے گرد ایسا طواف کرنے لگے جیسا بیت اللہ کے گرد ہوتا ہے تو ان کے عمل کا حصہ اس بنانے والے کو بھی ملے گا اس طرح جو شخص اللہ کی شریعت سے روک کر لوگوں کو طاغوت کی طرف لیجاتا ہے اور یہ جو صرف اللہ کی عبادت تھی وہ وثن و طاغوت کے لئے کروارہا ہے تو اس کے ذریعے سے وہ ظلم فجور کے اس درجے تک پہنچ رہا ہے جس کی حد صرف اللہ ہی جانتا ہے یہ کم سے کم حال ہے اس شخص کا تو ہم کہتے ہیں کہ نجاشی اس طرح کے کام کیسے کر سکتا ہے اور اگر کئے تھے تو نبی ﷺ نے اسے رجل صالح نیک آدمی کس طرح کہدیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب باتیں غلط ہیں جو اسکی طرف منسوب کی گئی ہیں اور اب ان سے استدلال کیا جاتا ہے۔

اس لئے کہ نجاشی توراۃ کا متبع تھا وہ طاغوت کی شریعت کا پیروکار نہیں تھا اللہ نے اس کے اور اس جیسے لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے۔

> لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (المائدہ:82)
>
> آپ ﷺ مومنوں کے سب سے بڑے دشمن ان لوگوں کو پائیں گے جو یہودی اور مشرک ہیں اور قریب تر ان کو پائیں گے جو خود کو نصاری کہتے ہیں اس لئے کہ ان میں علماء اور راہب ہیں اور یہ لوگ تکبر نہیں کرتے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ نجاشی ان لوگوں میں سے تھا جن کا ذکر اس آیت میں ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (المائدہ:44)

ہم نے توراۃ نازل کی اس میں ہدایت اور روشنی ہے اس پر حکم کرتے پیغمبر جو کہ حکم بردار تھے اللہ کے یہود کو اور حکم کرتے تھے درویش اور عالم اس لئے کہ وہ نگہبان ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتاب پر اور اس کی خبر

گیری پر مقرر تھے تم لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو اور مت خرید و میری آیات پر تھوڑی قیمت اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو اللہ نے اتارا سو وہی لوگ ہیں کافر۔

اب آپ کے سامنے صورتحال واضح ہو چکی ہے اور دونوں حالتوں کا فرق بھی سامنے آچکا یعنی نجاشی اور موجودہ قانون ساز اسمبلیوں کا۔ نجاشی کی حالت یہ ہے کہ وہ ایک کافر بادشاہ تھا جب اس نے سنا کہ ایک شخص ایمان کی طرف دعوت دے رہا ہے تو وہ فوراً ایمان لے آیا اور اس دعوت کو تسلیم کر کے اس کے تابع ہو گیا اور جو کچھ اس داعی کی طرف سے اسے پہنچا اس کو مانا اس پر عمل کیا اور اپنے عمل سے ثابت کیا کہ وہ تمام ادیان سے علیحدہ ہو کر صرف اس دین اسلام کا ہو گیا ہے دین کے مخالف تمام امور سے براءت کا اعلان کیا دین اسلام کی خاطر بادشاہت اور ملک چھوڑنے کے لئے بھی تیار تھا مگر اسلامی قوانین کی تکمیل سے قبل اسکا انتقال ہو گیا دوسری طرف صورت حال بالکل مختلف ہے جسے اس پہلی صورت پر قیاس کیا جارہا ہے وہ صورت یہ ہے کہ کچھ لوگ زبردستی وہ ذمہ داری اپنے سر لے رہے ہیں جس کا حکم یا اجازت اللہ نے نہیں دی ہے بلکہ اس کام کے مرتکب ہو رہے ہیں جس سے اللہ نے منع کیا ہے انہوں نے حرام ذرائع اختیار کر لئے ہیں یعنی شرک کو توحید کے حصول کا ذریعہ بنایا۔ معصیت کو اطاعت کا وسیلہ بنالیا ہے اور یہ سب کچھ اس کے بعد ہوا ہے کہ شریعت مکمل ہو چکی ہے اور حجت تمام ہو گئی ہے اب اس والی صورت کو پہلی والی پر کس طرح قیاس کیا جاسکتا ہے جبکہ دونوں کے درمیان مختلف انداز کے فوارق موجود ہیں اور قاعدہ واصول یہ ہے کہ قیاس مع الفارق باطل ہے دوسری بات یہ ہے کہ نجاشی کے حالات سے استدلال کیسے کیا جاسکتا ہے جبکہ اس کے کئی احتمال موجود ہیں اور اصول یہ ہے کہ جب احتمال آجاتا ہے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

شبہ نمبر2۔ جناب یوسف علیہ السلام کے عمل سے استدلال کرتے ہیں کہ وہ ایک کفریہ نظام حکومت میں زرعی پیداوار کے وزیر یا نگران رہے جب ایک پیغمبر ایسا کر سکتا ہے تو ہمارے لئے بھی جواز بنتا ہے کہ ہم ان اسمبلیوں میں جائیں۔

ازالہ: اس شبے کے ازالے کی بھی متعدد صورتیں ہیں۔

نمبر1۔ ان لوگوں نے قیاس کو نص پر مقدم کیا ہے حالانکہ قیاس اجتہاد کا حصہ ہے اور نص کی موجودگی میں اجتہاد کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ ممنوع ہے الصواعق المرسلہ میں ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب قیاس نص سے ٹکرا جائے (متعارض ہو جائے) تو قیاس باطل ہو جاتا ہے اسے ابلیس کا قیاس کہا جاتا ہے اسلئے کہ یہ باطل کے ذریعہ سے حق کا مقابلہ کرنا ہے اس لئے اس کی سزا یہ ہے کہ ایسے شخص کی عقل دنیا آخرت سب برباد ہو جاتے ہیں اس لئے کہ جو شخص عقل سے وحی کا مقابلہ کرے گا اللہ اس کی عقل خراب کر دے گا اور وہ ایسی باتیں کرے گا کہ جس پر صاحبان عقل وشعور ہنسیں گے مزاق اڑائیں گے۔

2۔ قیاس کی شروط میں سے یہ بھی ہے کہ دونوں میں اصل و فرع فارق نہ ہو تب قیاس صحیح کہلائے گا ورنہ فاسد ہو گا اسے قیاس مع الفارق کہا جائے گا موجودہ قیاس میں فوارق مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ یوسف علیہ السلام کی ذمہ داری ایک انسانی و بشری ذمہ داری تھی (خدائی صفات میں مداخلت نہیں تھی) جیسا کہ آیت میں ہے:

وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ

بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لے آؤ میں اسے اپنا خاص آدمی بناؤں گا جب یوسف علیہ السلام سے بات ہوئی تو بادشاہ نے کہا تمہیں آج سے ہمارے ہاں معتبر مقام حاصل ہے۔(یوسف:54)

اس کے برعکس ارکان اسمبلی تو رب اور قانون ساز بنتے ہیں جبکہ یہ صفت اللہ کی ہے اسمبلی اپنے ارکان کو مطلق اختیار دیتی ہے کہ وہ قوانین وضع کریں حالانکہ یہ اختیار صرف اللہ کے پاس ہے یہ لوگ نہ تو اس حق سے دست بردار ہوتے ہیں نہ ہی اس سے براءت کا اعلان کرتے ہیں اور یہ حق انہیں آئین نے دیا ہوتا ہے آئین کہتا ہے قانون سازی کی ذمہ داری پارلیمنٹ کے ذمہ ہے کہ وہ دستور کے مطابق یہ کام انجام دے دوسرے مقام پر ایک شق میں بیان ہوا ہے ڈیموکریسی (جمہوریت) میں قوم کی ہر قسم کی رہنمائی اس پارلیمنٹ کے ذمہ ہے۔

2دوسرا فارق:۔اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا: یوسف علیہ السلام اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے کرتے تھے اللہ کا ارشاد ہے۔

وَ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ

اور اس طرح ہم نے یوسف (علیہ السلام) کے لئے ممکن بنایا ورنہ وہ بادشاہ کے قانون میں اپنے بھائی کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے۔(یوسف:76)۔

مفسرین اسکی وضاحت کرتے ہیں کہ مصر کے قوانین کی رو سے وہ اپنے بھائی کو اپنے پاس نہ رکھ سکتے تھے البتہ اللہ کے حکم سے ایسا ممکن ہوا اور اللہ کا حکم ابراہیم علیہ السلام اور اسکی اولاد کی شریعت میں یہ تھا کہ چور کو ایک سال تک اس کے پاس رکھا جاسکتا تھا جس کے ہاں سے چوری کی ہے اس مدت میں وہ چوری کی رقم کے مساوی وصول کرلیتا۔

چونکہ اسمبلی کے ارکان اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر کسی اور دستور کے پابند ہوتے ہیں وہ تو کفر باللہ کا دروازہ کھول رہے ہیں کہ اللہ کی شریعت کے ہوتے ہوئے انسانوں کو قانون سازی کا اختیار دے رہے ہیں جیسا کہ دستور کی ایک شق میں بیان ہوا ہے اسمبلی کے اجلاس کے لئے ضروری ہے کہ آدھے سے زیادہ ارکان موجود ہوں اور حاضرین کی اکثریت کی بنا پر ہی کوئی قرارداد پاس کی جاسکتی ہے دوسری شق میں صراحت ہے کہ اسمبلی ممبران کو حق حاصل ہے کہ وہ قوانین میں چھان بین کریں اگر کسی اسمبلی رکن نے کوئی قانونی ترمیم پیش کی اور اکثریت نے اسے مسترد کیا تو وہ ترمیم دوبارہ پیش نہیں کی جاسکتی اسی طرح ہے کہ اراکین پارلیمنٹ کو اپنے خیالات و آراء کے اظہار کی مکمل آزادی حاصل ہے اسے پارلیمنٹ میں اپنے خیالات کے اظہار سے روکا نہیں جاسکتا۔

3 تیسرا فارق براءت۔ یوسف علیہ السلام نے ان کے تمام بتوں اور معبودوں سے براءت کا اعلان کیا تھا۔

اِنِّیْ تَرَکْتُ مِلَّۃَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ ۔ وَاتَّبَعْتُ مِلَّۃَ اٰبَآئِیْ اِبْرٰھِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ مَاکَانَ لَنَا اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ عَلَیْنَا وَ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ۔ مَاتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ اِلَّا اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْھَا اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُکُمْ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ اَمَرَ اِلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (یوسف:37۔40)

میں نے ایسی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتی اور آخرت کی منکر ہے میں نے اپنے آباء ابراہیم علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام کا دین اپنالیا ہے ہمارے لئے جائز نہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی قسم کا شرک کریں یہ اللہ کا ہم پر فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ اے میرے جیل خانے کے ساتھیو کیا بہت سارے الگ الگ رب بہتر ہیں یا ایک زبردست رب؟ جن کی تم عبادت کرتے ہو یہ صرف نام ہیں جو تم اور تمہارے آباء نے رکھے ہیں اللہ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں کی حکم صرف اللہ کا ہی ہے اسکا حکم ہے کہ صرف اس کی عبادت کرو یہی قائم رہنے والا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

جبکہ ارکان اسمبلی تو اپنے اوثان و معبودان اپنے طاغوت اپنے دستور کا حلف اٹھاتے ہیں ہر اسمبلی ممبر کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان الفاظ میں حلف اٹھائے میں اللہ کی قسم کھا کر عہد کرتا ہوں کہ ملک اور حکومت کا وفادار رہوں گا ملکی قوانین اور آئین کا احترام کروں گا قوم کی آزادی، فلاح و بہبود اور مالی امور کی حفاظت صدق و امانت داری سے کروں گا۔

4۔ چوتھا فارق۔ وزارت حاصل کرنے کا ذریعہ؟

یوسف علیہ السلام نے وزارت یا اختیارات معجزہ کے ذریعے سے حاصل کئے جیسا کہ آیت میں مذکور ہے۔

یُوْسُفُ اَیُّھَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْکُلُھُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعِ سُنْبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ لَّعَلِّیْ اَرْجِعُ اِلَی النَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَعْلَمُوْنَ۔ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْہُ فِیْ سُنْبُلِہٖ اِلَّا قَلِیْلاً مِّمَّا تَاْکُلُوْنَ ۔ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْکُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَھُنَّ اِلاَّ قَلِیْلاً مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ۔ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیْہِ یُغَاثُ النَّاسُ وَفِیْہِ یَعْصِرُوْنَ۔ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِہٖ فَلَمَّا جَآءَہُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ فَسْئَلْہُ مَابَالُ النِّسْوَۃِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَھُنَّ اِنَّ رَبِّیْ بِکَیْدِھِنَّ عَلِیْمٌ۔ قَالَ مَا خَطْبُکُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِہٖ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰہِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْہِ مِنْ سُوْءٍ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّہٗ عَنْ نَّفْسِہٖ وَ

اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ۔ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ۔ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ۔ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰي خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ۔ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۔(یوسف:46-56)

سچے یوسف ہمیں سات موٹی گائیں جنہیں سات دبلی گائیں کھارہی ہیں اور سات ہری بالیں انکو سات سوکھی بالیں کھارہی ہیں مجھے اس خواب کی تعبیر بتادیں تاکہ میں اپنی قوم کے پاس جاؤں اور شاید ان کو بھی معلوم ہوسکے یوسف (علیہ السلام) نے کہا تم سات سال تک جم کر کھیتی باڑی کروگے تو جو تم کاٹو اسے بالی میں چھوڑ دو سوائے اس کے جو تمہارے کھانے کے لئے ہو پھر اس کے بعد سات سال سختی کے آئیں گے وہ کھاجائیں گے جو تم نے سنبھال کر رکھا ہوگا پھر اس کے بعد ایک سال آئے گا جس میں بارش ہوگی لوگوں پر اور اس میں رس نچوڑیں گے۔

جہاں تک ارکان اسمبلی کی بات ہے تو وہ لوگوں کے ووٹوں سے منتخب ہوتے ہیں یہ دور جاہلیت کا طریقہ ہے جس میں اسلام کو بہت سے تحفظات ہیں دستور کی شق کہتی ہے پارلیمنٹ کے پچاس ارکان ہوں گے (کویت میں ایسا کوئی قانون ہوگا۔مترجم) جنکا چناؤ انتخابات کے ذریعے سے ہوگا اور اس انتخاب کے لئے قانون موجود ہے اس کے مطابق ہوگا۔

5۔پانچواں فارق۔تقرر کا طریقہ۔ جس وزارت پر یوسف علیہ السلام کا تقرر ہوا وہ ایک شخص کی تھی۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ۔(یوسف:54)

بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لے آؤ تاکہ میں اسے اپنا خاص آدمی بناؤں جب ان سے بات کی تو بادشاہ نے کہا تم آج سے ہمارے ہاں امانت داری کے مقام پر فائز ہو۔

اس کے برعکس ارکان مجلس میں سے پچاس افراد تقرر کرتے ہیں جیسا کہ دستور کی شق میں ہے اسمبلی کے اجلاس کے لئے نصف سے زائد کی حاضری ضروری ہے۔

ہر مسلمان کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ جب اصل اور فرع میں ایک بھی فارق ہو تو قیاس فاسد ہوتا ہے جبکہ یہاں تو پانچ فوارق بتادیئے گئے ہیں تو یہ قیاس باطل کیوں نہ ہوگا لازمی امر ہے کہ یہ قیاس فاسد ہے۔

شبہ نمبر 3۔ کہتے ہیں کہ ہم پارلیمنٹ میں مصلحت کی بنا پر جاتے ہیں اور بگاڑ وخرابیوں کو دور کرنے اہل باطل سے بحث ومقابلہ کرنے کے لئے جاتے ہیں۔

ازالہ: اگرچہ یہ ایک اچھا خیال اور اچھی کوشش یا مقصد ہے لیکن اس کے لئے اختیار کیا جانے والا ذریعہ غیر شرعی ہے ہم مسلمانوں کے ہاں اصول یہ ہے کہ اچھے کام کے لئے ذریعہ بھی اچھا ہونا ضروری ہے جب کہ آپ نے یہ ذریعہ شرکیہ بدعیہ اختیار کر لیا ہے جو کہ اللہ کی صفات میں شراکت کے برابر ہے جبکہ ہر مسلمان اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ اللہ کے ساتھ شرک و کفر سب سے بڑی خرابی ہے شرک و کفر سے بڑھ کر تو کوئی خرابی و فساد ہی نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى اِثْمًا عَظِيْمًا (النساء:48)۔

اللہ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اس کے علاوہ جو کچھ ہے جس کے لئے چاہے معاف کر دیتا ہے جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اس نے بہت بڑا گناہ کیا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الزمر:65)۔

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو اور آپ سے پہلے انبیاء کو وحی کی گئی تھی کہ اگر تم نے (بالفرض) شرک کر لیا تو تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گے۔

فرمان ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَ قَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (المائدہ:72)۔

کفر کیا ان لوگوں نے جنھوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے حالانکہ مسیح نے کہا کہ اے بنی اسرائیل اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی بات یہ ہے کہ جس نے اللہ کے ساتھ شرک کر لیا تو اللہ اس پر جنت حرام کر دے گا اور اسکا ٹھکانہ جہنم ہے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہو گا۔

شرک میں یہ بھی شامل ہے کہ انسان خود کو قانون ساز بنالے قانون ساز کی کرسی پر بیٹھ جائے جبکہ قانون بنانا اللہ کی صفت ہے شرک میں یہ بھی شامل ہے کہ انسان اپنا فیصلہ طاغوت کے پاس لے جائے جب انسان عبادت کی یہ قسم طاغوت کے لئے کرتا ہے تو وہ شخص مشرک بن جاتا ہے کفر میں سے یہ ہے کہ انسان طاغوت کی عزت و احترام کی قسم کھائے جس کے انکار کا اللہ نے حکم دیا ہے کفر میں سے یہ بھی ہے کہ انسان اللہ کے احکام کو اپنی تحقیقات کا نشانہ بنائے اس میں چھانٹی کرے کہ کون سا قابل نفاذ و قابل عمل ہے کونسا نہیں؟ اس طرح کفر باللہ کا دروازہ کھولے یعنی اللہ کی شریعت کو اپنانے یا نہ اپنانے کا اختیار۔

یہ چاروں امور اسلام سے مرتد کرنے والے ہیں لہٰذا جو لوگ ان امور کی جراءت کرتے ہیں انہیں خبر دار ہونا چاہیئے اور یہ سمجھ جانا چاہیئے کہ اللہ کے ساتھ کفر و شرک سب سے بڑی برائی اور خرابی ہے اور کوئی اچھا مقصد غلط ذریعے کو اچھا نہیں بناتا جبکہ یہاں ذریعہ کفریہ و شرکیہ اپنایا جارہا ہے۔

4چوتھا شبہ:حلف

کہتے ہیں کہ جب ہم پارلیمنٹ میں دستور، آئین کا حلف اٹھاتے ہیں تو ہم حق کو مستثنٰی کر کے اپنی نیت میں آئین سے وہی مراد لیتے ہیں یعنی آئین میں سے جو حق اور صحیح ہے ہم اس پر حلف اٹھاتے ہیں

جواب: اگر یہ لوگ جانتے کہ توحید کیا ہے اور ملت ابراہیم کیا ہے تو یہ لوگ اس طرح کی باتیں نہ کرتے اور اللہ کے دین میں اس طرح دیوانوں والی باتیں نہ شامل کرتے اس طرح یہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں اس شبہ کا جواب ہم کئی طرح سے دیتے ہیں مثلاً

1۔ ہر وہ شخص جسے اللہ نے اپنے دین کی سمجھ دی ہے وہ جانتا ہے کہ توحید نفی اور اثبات پر مبنی ہے اور جب حق کے ساتھ شرک یا باطل مخلوط ہو جائے تو پھر ضروری ہو جاتا ہے کہ انسان اس باطل شرک کفر اور گناہ کی نفی کر دے پھر اس کے بعد حق کو مستثنٰی کرے اور اسے ثابت کر دے جیسا کہ امام الموحدین جناب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖۤ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ

جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ میں تمہارے معبودوں سے بیزار ہوں سوائے اس اللہ کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے وہ عنقریب مجھے سیدھا راستہ دکھائے گا۔(الزخرف:26)

اس طرح ابراہیم علیہ السلام نے پہلے تمام معبودان باطلہ سے بیزاری کا اعلان کیا پھر حق تعالیٰ کو مستثنٰی کیا لہٰذا یہی ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ اور دین ہے جو شخص اس سے اعراض کرے گا وہ بے وقوف ہی ہو گا۔

2۔ ہر شخص جانتا ہے کہ جس نے بھی طاغوت کے احترام کی قسم کھائی (سوائے ناسمجھی یا مجبوری کے) تو اس شخص نے طاغوت کا انکار نہیں کیا جبکہ طاغوت کا انکار دل، زبان، اور عمل سے لازمی ہے امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات یاد رکھو کہ اللہ کا دین اعتقادی لحاظ سے دل میں ہوتا ہے اور محبت و نفرت بھی دل میں ہوتی ہے زبان سے اقرار اور کفریہ الفاظ زبان سے نہ نکالنا اور اعضاء سے ارکان اسلام پر عمل اور کفریہ افعال کو چھوڑنا یہ سب دین ہے اگر ان تینوں میں سے کسی ایک کی بھی کمی رہی تو یہ کفر وارتداد ہو گا۔(الدرر السنیۃ کتاب حکم المرتد:8/87)

یہ ایک صریح اور واضح قول ہے اس شخص کے مرتد ہونے پر جو قول یا عمل سے کفر کرتا ہے اب جو شخص کہتا ہے کہ میں اگرچہ زبان سے آئین کے احترام کا اقرار کرتا ہوں مگر دل سے استثنٰی کرتا ہوں کہ جو حق ہے اسکی قسم تو اس شخص کا یہ کہنا باطل و مردود ہے اس لئے کہ ظاہراً یہ کفر کا ارتکاب کر رہا ہے کہ اس نے غیر اللہ کی قسم کھالی ہے یعنی وضعی قوانین کی جو کہ

طاغوت ہے اور یہ سب کچھ نہ تو کسی اکراہ و مجبوری کی وجہ سے ہے اور نہ ہی ناواقفیت کی بنا پر شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں مرتد کا معنی علماء نے یہ لکھا ہے کہ وہ مسلمان جو اسلام لانے کے بعد کفر کرے پھر علماء نے اسکی اقسام بیان کی ہیں اور ہر قسم کافر بنا دینے والی ہے یہاں تک کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی تذکرہ کیا ہے جیسا کہ دل کے ارادے کے بغیر صرف زبان سے کفریہ کلمہ ادا کرنا یا مزاح و کھیل میں کفریہ الفاظ منہ سے نکالنا بھی مرتد بنا دیتا ہے اب اس بات پر غور کریں کہ چھوٹی چھوٹی باتیں بھی ارتداد کا سبب بن جاتی ہیں جیسا کہ بغیر دلی ارادے کے صرف مزاح میں کفریہ الفاظ کہنا وغیرہ شیخ صاحب نے اپنے رسالہ کے آخر میں لکھا ہے جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ بعض منافقین جنھوں نے رسول ﷺ کے ساتھ ملکر روم کے خلاف جنگ بھی کی تھی وہ کافر قرار دیئے گئے اس لئے کہ انہوں نے کھیل و مزاح میں کلمہ کفر ادا کیا تھا تو اس سے وضاحت ہو جاتی ہے کہ جو شخص کسی دنیاوی غرض یا نقصان سے بچنے کے لئے کفریہ کلمہ یا عمل کرتا ہے یا کسی کو خوش کرنے کے لئے ایسا کرتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

شیخ عبد اللہ بن عبد الرحمن ابا بطین رحمہ اللہ کہتے ہیں جب مسلمان اس کلمہ توحید کی عظمت جان لیتا ہے اور اس کے قیود و شرائط سے بھی واقف ہو جاتا ہے تو پھر ضروری ہے کہ اس کا اعتقاد دل میں ہو زبان سے اقرار اور اعضاء سے عمل ہو اگر ان تینوں میں سے کوئی بھی کم ہوا تو آدمی مسلمان نہیں کہلائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے اور جب آدمی مسلمان عامل بن جائے اور اس کے بعد اس سے ایسا قول یا عمل یا عقیدہ ظاہر ہو جائے جو اس کے نقیض و متضاد ہو تو یہ اقرار قول و عمل اسے کوئی نفع نہ دے گا اللہ کا ارشاد ان لوگوں کے بارے میں جنھوں نے غزوہ تبوک میں بات کی تھی۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ

یہ قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے کچھ نہیں کہا حالانکہ یہ کلمہ کفر ادا کر چکے ہیں اور اسلام لانے کے بعد کفر کر لیا ہے۔(التوبۃ:74)　　(مجموعۃ التوحید۔ الرسالۃ الثامنۃ)۔

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ (توبہ:66)۔

بہانے نہ بناؤ تم ایمان کے بعد کفر کر بیٹھے ہو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس نے کوئی عمل یا قول ایسا کیا جو کفر کے زمرے میں آتا ہے تو وہ شخص کافر ہو گیا اگرچہ اس نے کافر ہونے کا قصد نہیں کیا تھا اس لئے کہ کافر بننے کا ارادہ کوئی بھی نہیں کرتا۔(الصارم المسلول:177)۔

شبہ نمبر 5۔ کہتے ہیں کہ اسمبلی کے ارکان قانون ساز نہیں ہیں نہ انہوں نے کبھی خود کو قانون ساز سمجھا ہے اور نہ وہ اسمبلی میں اس نیت سے جاتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرح خود کو بھی رب اور قانون ساز و شریعت ساز بنائیں وہ اسمبلی میں جو کچھ کرتے ہیں وہ قوم و ملک کی اصلاح و بھلائی کے لئے کرتے ہیں۔ ان کے اس قول کا رد بایں طور ہو سکتا ہے کہ یہ کہتے ہیں ارکان اسمبلی قانون ساز یا شریعت ساز نہیں ہے یہ قول انکا باطل اور غلط ہے اس لئے کہ اعتبار ان کے قول کا نہیں ہے کہ ان کے کہنے سے یہ تسلیم کر

لیا جائے کہ یہ ارکان قانون ساز نہیں ہیں بلکہ اعتبار اس کا ہے جسے عقل، واقعات، دستور، اور رواج نے ثابت کیا ہے کہ جو شخص قانون ساز اسمبلی کی کرسی پر بیٹھے گا وہ قانون ساز ہی ہو گا۔

1۔ اگرچہ زبان سے یہ لاکھ کہیں کہ ہم قانون ساز نہیں ہیں مگر دلی طور پر تو انہیں تسلیم ہے کہ وہ اس منصب پر فائز ہیں کہ انتخابات ہوئے ہی اسی منصب کے لئے ہیں جیسا کہ ایک آدمی جج بن کر کرسی پر بیٹھ جائے اور کہے کہ میں جج نہیں ہوں تو اسکے کہنے کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا بلکہ اس کی قانونی حیثیت کو دیکھا جائے گا اس طرح کوئی شخص صدر بن جائے پھر کہے کہ میں خود کو صدر نہیں سمجھتا کوئی وزیر اعظم بن جائے پھر کہے کہ میں خود کو وزیر اعظم نہیں سمجھتا تو ان باتوں کا کیا فائدہ ہو گا قانوناً جو حیثیت انہیں حاصل ہے وہ تو رہے گی اسی طرح انتخابات کے بعد قانون ساز اسمبلی کا ممبر منتخب ہونے کے بعد کوئی کہے کہ میں قانون ساز نہیں ہوں تو اس کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہے یا یہ کہیں کہ ہم اپنے دل میں اپنی نیت میں خود کو قانون ساز نہیں سمجھتے تو اس کا بھی بھروسہ یا اعتبار نہیں ہے اس لئے کہ جب ایک آدمی کوئی عمل کر رہا ہو یا کر چکے اور پھر کہے کہ میری نیت اس عمل کو کرنے کی نہیں تھی جیسا کہ ایک بدعتی آدمی بدعت کا کام ایجاد کرے اس پر عمل کرے اور پھر کہے کہ میری نیت ایسی نہیں تھی تو اس نیت کا کیا اعتبار؟ عمل تو اس نے کر دیا ہے بدعت کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جس نے ہمارے اس دین میں ایسا نیا کام نکالا جو اس میں سے نہیں تھا تو وہ مردود ہے۔ (متفق علیہ) یہ تو دین میں کوئی عمل ایجاد کرنے سے متعلق ہے کہ کتاب و سنت کی دلیل کے بغیر کوئی عمل کرے تو اسکا عمل مردود ہے مگر اس لئے کہ اس نے معصیت کا ارتکاب کیا ہے اب اس کی نیت نہیں معلوم کی جائے گی کہ اچھی تھی یا بری اسی طرح ایک شخص شرکیہ عمل کرتا ہے خود کو خالق رازق شریعت ساز قانون ساز کے درجے پر فائز کرتا ہے اور پھر کہے کہ میری نیت ایسی نہ تھی تو اس کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ اسکے عمل پر ہی فتوی لگے گا۔

2۔ ان کے کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص قانون ساز کی کرسی پر بیٹھا اور خود کو قانون سمجھا تو وہ قانون ساز ہو گا اور جس نے عمل تو یہی کیا مگر نیت میں نہیں تھا تو وہ قانون ساز شمار نہ ہو گا بلکہ مصلح ہو گا گویا دو آدمیوں میں فرق کرتے ہیں ایک شخص عملاً ہے مگر نیت نہیں ایک عملاً اور نیت دونوں کے لحاظ سے ہے تو دوسرا قانون ساز ہے پہلا نہیں ہے حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ ان کا یہ قول اور یہ فرق باطل ہے اس لئے کہ اگر ایک شخص نیت کر لے اور زبان سے کہہ دے کہ میں قانون ساز ہوں مگر قانون ساز اس وقت بنے گا جب وہ اس کرسی پر منتخب ہو کر بیٹھے گا اور عملاً قانون سازی کرے گا ورنہ صرف نیت یا قول سے وہ قانون ساز نہیں بن جائے گا اور اگر کوئی شخص زبان سے کچھ بھی نہ کہے نیت بھی کرے مگر منتخب ہو کر اسمبلی میں جائے اور عملاً قانون سازی کرے تو وہ قانون ساز کہلائے گا لہٰذا ثابت ہوا کہ اصل اعتبار نیت و قول کا نہیں بلکہ عمل کا ہے۔

3۔ جس مسلمان کو یہ معلوم ہو کہ شرک اعتقادی بھی ہوتا ہے قولی بھی اور فعلی بھی تو وہ اس طرح کی باتیں کبھی نہیں کرے گا۔

امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ کا دین دلی اعتقاد اور دلی محبت و نفرت اور زبانی اقرار و عمل بالجوارح کا نام ہے ان میں سے ایک بھی کم ہوا تو یہ کفر وار تداد ہے (الدرر السنیۃ کتاب حکم المرتد (8/)

عبد الرحمن بن ابابطین رحمہ اللہ کہتے ہیں جب مسلمان اس کلمہ کی عظمت قدر و منزلت پہچان لیگا اس کے قیود و شرائط سمجھ جائے گا تو پھر ضروری ہے کہ دل سے اعتقاد زبان سے اقرار اور اعضاء سے عمل کرے اگر ان تینوں میں سے ایک بھی کم ہوا تو انسان مسلمان نہیں بن سکے گا۔ (مجموعۃ التوحید الرسالۃ الثالثۃ)

شبہ نمبر 6۔ اگر کوئی کہنے والا کہے کہ توحید ربوبیت اعتقاد و اقرار کا نام ہے اور یہ ارکان اسمبلی اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ خالق اور شریعت ساز صرف ایک اللہ ہے تو پھر آپ ان کو کس بنیاد پر شرک فی الربوبیت کے مرتکب سمجھتے ہیں اس شبہے کے جواب بھی متعدد ہیں۔

1۔ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ توحید ربوبیت میں اصل اور بنیاد اعتقاد اور زبان سے اقرار ہے اور یہ ایک شرعی ذمہ داری ہے کہ ہم اللہ کی تمام ان صفات پر ایمان لائیں جو اس کی ربوبیت کا خاصہ ہیں ان صفات میں اسے تنہا مانیں اور یہ عقیدہ رکھیں کہ اللہ کے علاوہ نہ کوئی خالق ہے نہ رازق اور نہ قانون ساز اس سب کے باوجود ہم ایک اور بات کر رہے ہیں اور وہ یہ کہ انسان کا اللہ کی وحدانیت اس کے افعال ربوبیت پر ایمان ہوتا ہے لیکن یہ اقرار و اعتقاد اسے فائدہ نہیں دیتا اس لئے کہ جب وہ ایسا کوئی عمل غیر اللہ کے لئے کر دیتا ہے جو صرف اللہ کے لئے خاص تھا تو وہ شخص مشرک بن جاتا ہے اپنے اس عمل کی بنا پر اس بات کی دلیل علماء کے اقوال سے مل سکتی ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شرک کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کچھ چیزوں کے مخصوص نام رکھ دیئے جائیں بلکہ شرک یہ ہے کہ غیر اللہ کے لئے کوئی ایسا عمل کیا جائے جو صرف اللہ کے لئے خاص ہو چاہے اس عمل یا جس کیلئے کیا جارہا ہے اسکا کوئی بھی نام رکھا جائے (الدر النفیہ ضمن الرسائل السلفیۃ ص18)

امام صاحب کی اس بات میں غور کریں کہ غیر اللہ کے لئے کوئی عمل کیا جائے یعنی اصل اعتبار عمل کا ہے یہی قول پہلے شیخ عبد اللہ بن عبد الرحمن ابابطین کا گذر چکا ہے۔ (مجموعۃ التوحید الرسالۃ الثامنۃ)

2۔ ہم پہلے اکثر مواقع پر بہت سے علماء کے اقوال پیش کر چکے ہیں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ توحید کے لئے ضروری ہے کہ دل زبان اور عمل سے ہو جب یہ بات ثابت ہو چکی ہے تو پھر یہ صرف توحید الوہیت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ توحید ربوبیت بھی اس میں داخل ہے اس لئے کہ شرک ربوبیت شرک فی الالوہیت سے زیادہ سنگین ہے اور یہ شرک تین قسم کا ہوتا ہے۔

1۔ اعتقادی لحاظ سے شرک فی الربوبیت جیسا کہ کوئی انسان یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ کے علاوہ بھی کوئی قانون ساز ہے۔

2۔ قولی شرک کوئی شخص زبان سے کہدے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کو بھی قانون بنانے کا حق حاصل ہے۔

3۔　شرک فی الربوبیت عملاً جیسا کہ کوئی انسان کسی انسان کو ایسے مقام پر پہنچائے کہ جس کی وجہ سے اس انسان کو قانون بنانے کا حق حاصل ہو جائے جو کہ صرف اللہ کا حق ہے۔

اب ہم ان لوگوں سے سوال کرتے ہیں کہ جب آپ نے ایک شخص کو قانون ساز اسمبلی میں پہنچا دیا انہیں قانون بنانے کا حق دیدیا تو اس کے علاوہ اب اور کون سی شرک فی الربوبیت کی عملی صورت رہ گئی ہے۔ آخر میں ہم یہی کہتے ہیں کہ ان تشریعی مجالس میں شمولیت شرک اکبر میں سے ہے اور جو شخص ان مجالس کی رکنیت حاصل کر کے قانون ساز کی کرسی پر بیٹھے گا وہ شرک کا مرتکب شمار ہو گا بلکہ وہ خود طاغوت ہے کہ اللہ کی صفات مخصوصہ میں سے ایک صفت کا دعوے دار ہے اور جو لوگ ان ارکان کو ان اسمبلیوں میں پہنچاتے ہیں وہ بھی شرک کے مرتکب ہیں اب انکی نیت صحیح ہو یا غلط؟ بعض لوگ یہ بھی عذر تراشتے ہیں کہ ان لوگوں کا اسمبلی میں جانا مجبوری ہے اسلئے کہ اگر یہ (اچھے لوگ اچھی نیت والے مصلحین) نہیں جائیں گے تو کوئی اور (برے لوگ) پہنچ جائیں گے اور وہاں جا کر کفر و بے دینی کو رواج دیں گے کفریہ قوانین بنائیں گے وغیرہ وغیرہ ہمارے خیال میں یہ بہت بڑی غلطی ہے جو ان لوگوں سے سرزد ہو رہی ہے اس لئے کہ ہم پہلے وضاحت کر چکے ہیں کہ شرک آخر شرک ہے وہ کسی بھی تاویل سے جائز یا صحیح قرار نہیں پا سکتا اور جسے یہ مجبوری کہہ رہے ہیں تو ہم مجبوری کی اقسام اور صحیح صورت حال پہلے واضح کر چکے ہیں اس کے علاوہ اگر یہ اس کو اکراہ و مجبوری کی شکل قرار دیتے ہیں تو ہم کہیں گے کہ اس موقع پر آپ کے پاس دو صورتیں ہیں صرف دو تیسری کوئی نہیں۔

1۔　اگر آپ اس انتخاب اور اسمبلیوں میں جانے کو مجبوری کہتے ہیں اسے آپ معتبر جانتے ہیں تو پھر آپ پر لازم ہے کہ اپنے لئے وہ بھی جائز سمجھیں گے جو یہ لوگ اپنے لئے جائز سمجھتے ہیں یعنی اسمبلیوں میں جانا اپنی مجبوری قرار دیتے ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ یہ اکراہ ہے اور معتبر ہے اور آپ نے ان کے لئے اسمبلیوں میں جانا جائز سمجھ لیا ہے۔

2۔　یا آپ یہ کہیں کہ جسے یہ لوگ مجبوری قرار دیتے ہیں وہ مجبوری معتبر نہیں ہے تو پھر آپ کو یہ ماننا پڑے گا کہ ان کا اسمبلیوں میں جانا شرک ہے اس لئے کہ مجبوری درمیان میں سے نکل گئی اور شرک کی تمام اوصاف موجود ہیں۔

سوال: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ان لوگوں کے پاس بھی تو دلائل ہیں جو اپنے عمل کے جواز میں پیش کرتے ہیں ان کی طرف بھی توجہ دی جانی چاہیئے؟۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ ان کے تمام دلائل کا جواب ہم پہلے تفصیل سے دے چکے ہیں اور علماء کے اقوال اور پھر آخری فیصلہ وہاں درج ہے۔

اسی طرح ایک اور غلط خیال لوگوں کے ذہن میں آتا ہے ہم چاہتے ہیں کہ اسکا بھی جواب دے دیں سوال یہ ہے کہ دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ اجتہاد میں غلطی کرنے والے کو ایک اور صحیح رائے دینے والے کو دو اجر ملتے ہیں اب جو لوگ

اسمبلیوں میں جانا جائز سمجھتے ہیں اگر ان کی رائے صحیح ہے تو دو اور اگر غلط ہے تو ایک اجر انہیں ملے گا اس لئے کہ مجتہد کی خطا معاف اور صحیح بات پر اجر ہے۔

جواب: یہ بہت بڑی غلطی ہے اس لئے کہ شرک کے بارے میں اجتہاد کرنا اور پھر اس میں غلطی کرنا کیسے معاف ہو سکتا ہے یہ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔

شیخ تقی الدین کہتے ہیں مغفرت کی امید اس کیلئے کی جاسکتی ہے جس نے بدعت اجتہادی غلطی یا ناسمجھی کی بناپر ایجاد کی مگر شرک اکبر یا کفر کرنے والے کی مغفرت کی بات کسی نے نہیں کی ہے۔(الدرر السنیۃ 12/80)

شیخ ابابطین مخالفین کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں اگر آپ یہ کہیں کہ شیخ تقی الدین اور ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس نے ان امور میں سے کسی کا ارتکاب کیا تو اسے مطلق کافر مشرک نہیں کہا جائے گا جب تک کہ کوئی واضح دلیل و حجت قائم نہ ہو جائے اور وہ حجت حکمران وقت کرے گا وہی اس بات کا مجاز ہے کہ کسی عمل کو کفر کہے یا کرنے والے کا عذر قبول کرلے کہ اس نے یہ کام اجتہادی غلطی یا کسی کی تقلید میں کیا ہے یا اور کوئی وجہ ہو جسکی بناپر حکومت اسے معاف کردے ابابطین کہتے ہیں کہ ابن قیم اور تقی الدین نے یہ بات کہیں نہیں کی ان کے کلام میں یہ قول ہے ہی نہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ قول ایک جھوٹے گمراہ داؤد بن جرجیس بغدادی نے گڑھا ہے جو محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کا مخالف تھا بہت سے علماء نے اس کے اقوال کو رد کیا ہے اس نے شیخ تقی الدین کی طرف ایک ورقہ منسوب کیا وہ لوگوں کو سناتا تھا جس میں لکھا تھا کہ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ جو لوگ قبروں اور مزاروں کے پاس شرک کرتے ہیں جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں تو ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجتہد تاویل کرنے والا مقلد اور جاہل معذور ہیں ان کی خطائیں معاف ہیں جب مجھے اس بات کا علم ہوا کہ داؤد بن جرجیس ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا اس طرح کا قول لوگوں کے سامنے پیش کررہا ہے تو میں نے اسے بلایا اور اس کی غلطی کی نشاندہی کی اور اسے بتایا کہ ابن تیمیہ کا یہ قول اس مقام کے لئے نہیں تھا بلکہ شیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہ بات بدعات کے بارے میں کی تھی جو شرک کے زمرے میں نہ ہوں جیسا کہ کوئی شخص کسی عمل کو اچھا عمل سمجھ کر کررہا ہو لیکن اسے معلوم نہ ہو کہ یہ ممنوع ہے تو اسے اچھی نیت کی بناپر ثواب ملے گا اور عدم علم کی بناپر اس کی غلطی معاف ہو گی۔

بہت سے ایسے عمل یا عبادات جو لوگ کررہے ہیں اسے ان اعمال کی مشروعیت ثابت نہیں ہو جاتی پھر ایک عالم یا تو تاویل کرتا ہے یا اجتہادی غلطی کرتا ہے یا مقلد ہوتا ہے تو اس کی خطاء معاف ہو جاتی ہے ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا یہ قول ان امور کے بارے میں ہے جو شرکیہ نہیں ہیں۔(الدرر السنیۃ 15/387)۔

مزید فرماتے ہیں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے بہت سے علماء نے بہت سارے اقوال افعال اعتقادات ایسے اذکر کئے ہیں جن کے مرتکب کو کافر قرار دیا جاسکتا ہے اور اس میں یہ شرط بھی نہیں لگائی کہ یہ کام جان بوجھ کر کئے گئے ہوں کفر کا ارتکاب کرنے والا چاہے تاویل کرنے والا ہو مجتہد ہو غلطی پر ہو مقلد ہو جاہل ہو ہے تو بہر حال کتاب و سنت اور اجماع کا مخالف

اس کا یہ عمل تو ختم نہیں ہو جاتا کفر تو اس نے کیا ہے چاہے کوئی بھی وجہ ہو جیسا کہ کوئی شخص نبی ﷺ کی رسالت میں شک کرے وغیرہ وغیرہ (الشفاء بشرح نور الدین القاری ج5 ص393-314)

علامہ شیخ عبد الرحمن بن حسن فرماتے ہیں علماء نے اعتدال کا راستہ اپنایا ہے اور مرتد کے حکم میں لکھا ہے کہ کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں ہے کہ جب کوئی شخص کفریہ کلمہ کہے یا کفریہ عمل کرے اور اسے یہ علم نہ ہو کہ وہ شہادتین کے منافی کام کر رہا ہے تو اسے جہل کی بنا پر کافر نہ کہا جائے یہ کسی عالم نے نہیں کہا۔(الدرر السنیۃ 12 / 72)۔

قاضی عیاض کہتے ہیں کہ عبید اللہ بن حسن عنبری نے اگرچہ مجتہدین کی آراء کو صحیح کہا ہے تمام علماء کا اجماع ہے کہ دین کے اصولوں میں حق ایک ہی ہوتا ہے اس میں غلطی کرنے والا گناہ گار نافرمان فاسق ہے البتہ اس کے کفر میں اختلاف ہے قاضی عیاض نے جنہیں اصول دین کہا ہے ان سے مراد اہل السنۃ کے عقائد کے اصول ہیں مثلاً قیامت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار اور قرآن کا اللہ کا کلام ہونا وغیرہ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ایسے شخص کے کفر میں اختلاف ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جن امور میں تاویل کی گنجائش ہو اسمیں تو اختلاف ہے مگر جہاں واضح شرکیہ اور کفریہ کام یا قول ہو جیسا کہ شرک فی العبادۃ یا اللہ ورسول ﷺ کا مذاق اڑانا تو یہ ایسی باتیں ہیں کہ جن کے مرتکب کے کفر میں اہل السنۃ کا کوئی اختلاف نہیں ہے اس سے ہمارے سامنے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ مجتہد کو غلطی پر بھی اجر ملتا ہے اگر وہ سمجھتے ہیں کہ اسمبلیوں میں جانا اس لئے کفر نہیں ہے کہ یہاں اکراہ کی صورت پائی جارہی ہے اور یہ صورت کافر قرار دینے کی راہ میں مانع ہے تو اس کا جواب ہم پہلے تفصیل سے دے چکے ہیں۔

ہم نے اختصار کے ساتھ علماء کی آراء کی روشنی میں شبہات کا جواب دیدیا ہے اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں کفر، شرک اور گمراہی سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

قانون سازی کے چند نمونے

1۔ کویت کی قانون ساز اسمبلی نے قانون میں ایک ترمیم منظور کی جس کا خلاصہ ہے کہ جس نے اللہ رسول کو گالی دی یا دین اسلام کا مذاق اڑایا اسے چھ ماہ کی بجائے دس سال قید کی سزاء دی جائے گی اور اسے ایک ہزار کے بجائے اب دس ہزار دینار جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔ حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ اسلام میں ایسے لوگوں کے لئے سزائیں مقرر ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے جس نے اپنا دین بدل دیا (مرتد ہوا) اسے قتل کر دو۔ اور جس نے اللہ کو یا اس کے نبی ﷺ کو گالی دی اسے قتل کر دو کہ وہ مرتد ہے اللہ ورسول ﷺ کا یہ حکم ہے مگر کویتی قانون سازوں نے اللہ کی شریعت کے مخالف ایک نیا قانون بنا دیا کہ ایسے مجرم کو قید اور جرمانہ کی سزاء دی جائے گی حوالہ کیلئے دیکھئے کویت سے جاری ہونے والے سیاسی وغیر سیاسی رسائل بابت 7 رمضان 5 جنوری 1998ء

اس بارے میں ہم یہی تبصرہ کر سکتے ہیں کہ شاید ان کا خیال ہے کہ مقصد نیک ہو تو اس کے لئے استعمال کیا جانے والا ہر ذریعہ خود بخود نیک اور جائز بن جاتا ہے اور جب ہمارا مقصد نیک ہے تو اس کے لئے ہم کوئی سا بھی طریقہ اختیار کر لیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا چاہے وہ ذریعہ شرعی ہو یا غیر شرعی بھلے کفریہ و شرکیہ ذریعہ ہی کیوں نہ ہو جبکہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارا عقیدہ ہے کہ نیک مقصد غلط ذریعے کو صحیح نہیں بناتا جب ذریعہ شرکیہ یا کفریہ ہو تو کوئی بھی اچھا مقصد اسے اچھا نہیں بنا سکتا جبکہ یہ کام شرک ہے کہ انسان خود کو شریعت ساز تصور کر لے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (الشوری:21)۔

کیا ان کے ایسے شریک ہیں جو ان کے لئے دین کی نئی راہ (شریعت) بناتے ہیں جسکی اللہ نے اجازت نہیں دی اگر فیصلہ کی ایک بات مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو ان میں فیصلہ ہو جاتا اور جو ظالم ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (التوبہ:31)

انہوں نے اپنے درویشوں اور علماء اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے علاوہ رب بنالیا ہے حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ صرف ایک الٰہ کی عبادت کریں وہ اللہ پاک ہے ان چیزوں سے جو یہ لوگ اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس نے اللہ کی شریعت بدل دی اور نئی شریعت بنالی تو اس کی بنائی ہوئی شریعت باطل ہے اس کی اتباع جائز نہیں ہے جیسا کہ پہلی آیت میں مذکور ہوا۔ (مجموع الفتاوی:365-135) اسی لئے یہود و نصاری کو کافر قرار دیا گیا ہے کہ انہوں نے تبدیل شدہ منسوخ شریعت کی اتباع کی۔ مزید فرماتے ہیں حرام کرنا یا حلال قرار دینا صرف ایک اللہ کا اختیار ہے اگر کسی نے کوئی بھی عمل اختیار کیا یا ترک کیا اس کے کرنے یا ترک پر اللہ کا حکم نہ ہو اور اپنے اس عمل کو دین کے طور پر اپنا لیا تو اس نے اللہ کا شریک اور رسول کا نظیر قرار دے دیا یہ انہی مشرکین کی طرح ہے جنہوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے یا ان مرتدین کی طرح ہیں جنھوں نے مسیلمہ کذاب کی پیروی کی۔

غور فرمائیں کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کس طرح ایسے لوگوں کو مرتد و مشرک قرار دیا ہے جو اس عمل کو جائز سمجھتے ہیں یا ناجائز ان میں کوئی فرق نہیں رکھا۔ (الفتاوی الکبری 6/339)۔

علامہ شیخ حمد بن عتیق رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس شہر کے لوگوں نے اللہ اور اللہ کے دین کو برا بھلا کہا اور ایسے قوانین رعایا میں نافذ کیے ہیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے خلاف ہیں حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ صرف یہی کام انکو اسلام سے خارج کرنے کے لئے کافی ہیں۔(ھدایۃ الطریق من رسائل و فتاوی الشیخ حمد بن عتیق ص 186)

شیخ عبد اللہ بن حمید رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس نے لوگوں پر کوئی ایسا قانون بنا کر نافذ کیا جو اللہ کے حکم سے متعارض ہو تو ایسا کرنے والا امت سے خارج ہے کافر ہے۔(نقل عن کتاب الایمان ومبطلاتہ فی العقیدہ الاسلامیۃ)۔

مزید فرماتے ہیں اللہ کی طرف سے اس بات پر شدید تحذیر اور وعید ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کی شریعت کو چھوڑ کر کسی اور طرف فیصلے لیجائیں۔اور اللہ کی طرف سے ایسا کرنے والوں کے بارے میں صریح حکم ہے کہ یہ فاسق ظالم کافر ہیں منافقین کے نقش قدم اور طور طریقوں پر چلنے والے ہیں (فتاوی الشیخ محمد بن ابراہیم 12/256)۔

شیخ محمد بن حامد الفقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں سلف کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ طاغوت ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے لئے اللہ کی عبادات میں سے کوئی عبادت بجالائی جائے اور وہ چیز انسان کو اللہ کی عبادت دین اور اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت میں اخلاص سے رکاوٹ بنے۔چاہے یہ چیز شیطان ہو جن ہو یا انسان ہو درخت ہو پتھر یا اور کوئی چیز ہو اس میں ایسے قوانین بھی شامل ہیں جو کتاب و سنت کے بجائے انسانوں کے وضع کردہ ہوں اور ان کے مطابق مال جان و عزت کے فیصلے ہوتے ہوں ان کی وجہ سے اللہ کی شریعت معطل کر دی گئی ہو۔یہ قوانین بھی درحقیقت طاغوت ہے۔(فتح المجید ص269-348)

شیخ عبد الرزاق عفیفی فرماتے ہیں جو شخص خود کو مسلمان کہتا ہو اسلام کے احکام سے واقف ہو پھر لوگوں کے لئے خود قوانین وضع کرے ان کے لئے کوئی نظام بنائے تاکہ لوگ اس کے مطابق زندگی گزاریں اس کے مطابق فیصلے کریں اور وہ شخص جانتا ہو کہ یہ قوانین اسلامی احکام کے مخالف ہیں تو ایسا شخص کافر ہے ملت اسلامی سے خارج ہے اسی طرح وہ شخص بھی جو اس مقصد کے لئے کمیٹی تشکیل دیتا ہے یا لوگوں کو حکم یا رائے دیتا ہے کہ ان قوانین یا نظام کو اپنائیں حالانکہ اسے معلوم ہے کہ یہ اسلام کے خلاف ہیں (تو وہ شخص کافر ملت اسلام سے خارج ہے) (شبہات حول السنۃ ورسالۃ الحکم بغیر ماانزل ص 63طبعۃ دار الفضیلۃ)

2۔دوسرا نمونہ: جلسے سیمنار وغیرہ کی ممانعت والے قوانین میں ترمیم۔

10/5/1997ء کے صحیفہ الوطن میں لکھا ہے کہ پہلے قانون تھا کہ اگر کسی جلسہ یا محفل میں کوئی خلاف شرع تقریر یا گفتگو کی گئی تو ایسے جلسہ کے شرکاء کو گرفتار کیا جائے گا منتظمین پر جرمانہ ہو گا مگر اب اس میں ترمیم کر کے بلکہ اس قانون کو ختم کر کے ہر قسم کے جلسے اور محافل کی اجازت دی گئی ہے شیخ عبد اللطیف بن عبد الرحمن کہتے ہیں آپ نے دیکھا ہے کہ اس سے کتنا بڑا نقصان ہوا ہے؟ حقائق و ذمہ داریوں سے کس طرح چشم پوشی کی گئی اس کی وجہ سے شرک اور اس کے ذرائع پروان چڑھے دراصل اللہ کے اوامر کی حقیقت سے ناواقفیت اصول توحید و اسلام سے لاعلمی اور اس کے متضاد امور سے جہالت اور اللہ کے

دشمنوں سے دوستی کی تکمیل اس کی وجوہات اور اسباب ہیں سب سے بڑا گناہ یا خرابی اس سے یہ آئی ہے کہ اسلام کے بنیادی حکم یعنی کفار سے عداوت کے منافی حکم ہے اور کفار سے دوستی وتعاون اور ان کے دین و قوانین کی معاونت اسمیں پائی جاتی ہے اسی طرح ان کی تعریف اور ان کے نظام زندگی کی مدح و ستائش بھی اس سے ہو رہی ہے اسی طرح کفار کے خلاف جہاد بھی ترک کرنا اور ان سے صلح و دوستی اور بھائی چارہ قائم کرنا ہو گا اسی کے ساتھ ساتھ ان کے محافل و مجالس میں شریک ہو کر ان کی تعداد میں اضافہ کا سبب بننا بھی اس کی وجہ سے ہوا ہے اس کے علاوہ ایسے اجتماعات میں بھی شرکت کی جاسکتی ہے یا کی جائے گی جن میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام رد کئے جاتے ہیں اور انگریز کے قانون پر عمل کرنا پڑتا ہے اسلام اور اھل اسلام کا مذاق اڑایا جاتا ہے کسی بھی مومن مسلمان کو ایسے کاموں سے بچنا چاہئیے اور اپنے دین ایمان و توحید کی حفاظت کرنی چاہیئے۔ (الدرر السنیۃ کتاب مختصرات ص180)

شیخ اسحاق بن عبد الرحمن کہتے ہیں کفار کے ممالک کی طرف سفر کرنے کی جہاں تک بات ہے تو جو لوگ کفار کے ممالک میں ان کے شرائط کے مطابق رہنا حرام سمجھتے ہیں تو وہ ان ممالک کی طرف سفر بھی حرام قرار دیتے ہیں البتہ یہ شخص اس کی طرح پھر بھی نہیں ہے جو مشرکین کے واضح کفر اور وضعی قوانین کے فیصلوں کے مطابق رہتا ہے اور شرعی احکام کا رد اس کے سامنے ہوتا ہے اور یہ پھر بھی وہاں خوشی سے رہ رہا ہے۔(یعنی یہ زیادہ گناہ گار ہے) (الدرر السنیۃ12 /419)

3۔ تیسرا نمونہ۔لڑائی جھگڑا شراب زنا لواطت وغیرہ کے بارے میں قانون؟

صحیفۃ الوطن۔1 /1 /1999ء نے خبر دی ہے کہ قانون سازوں نے 280 قوانین میں غور و فکر اور تحقیق کی ہے ان میں سے بہت سے ملکی قوانین میں ترامیم کی ہیں اور ایسے شرعی قوانین پر غور کیا ہے جنہیں ملکی قوانین کے ذریعے سے قابل عمل و نفاذ بنایا جاسکتا ہے ان میں سے لڑائی شراب زنا اور لواطت سے متعلق قوانین ہیں۔

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کو قانون سازی کا مطلق اختیار دے دیا گیا ہے جو کہ صرف اللہ عزوجل کا اختیار تھا اب اللہ کی شریعت کو انسانوں کے سامنے پیش کیا جارہا ہے تاکہ اس پر رائے دے سکیں اس میں سے کسی کو برقرار رکھیں یا ان میں سے ایسے قوانین اخذ کریں جو لوگوں پر نافذ کئے جاسکیں یعنی ان لوگوں کی تائید کے بعد نافذ ہوں گے یہ نہیں کہ چونکہ اللہ کا حکم ہے اسلئے نافذ ہو رہا ہے اب قانون سازوں نے اس کی تائید کی ہے اور ان میں سے کچھ ایسے قوانین کا اجراء کیا ہے جن پر عمل درآمد کیا جاسکتا ہے ہمارے خیال میں یہ اللہ کی شریعت پر شریعت بنانا ہے جو کہ بہت بڑا گناہ ہے اللہ کا فرمان ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (الرعد:41)

کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کی طرف آتے ہیں اور اس کے اطراف میں سے کم کرتے رہتے ہیں اللہ حکم کرتا ہے اس کے حکم کا تعاقب کوئی نہیں کرتا وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

نیز فرماتا ہے۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (ھود:123)۔

اللہ کے لئے ہے آسمانوں اور زمینوں کا غیب۔ اسی کی طرف تمام کام رجوع ہوتے ہیں اسی کی عبادت کر اسی پر بھروسہ کر تیرا رب غافل نہیں ہے اس سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔

کویت سے شائع ہونے والے رسالے الفرقان کے شمارہ اگست 1996ء میں دستور ساز اسمبلی کو مجلس شوری قرار دیا گیا ہے اور قرآن کی آیت وامرہم شوری بینہم سے اسکی تائید کی گئی ہے۔

کویت میں شورائی نظام کی ابتداء پہلے حکمران صباح بن جابر کے دور سے 1752ء میں ہوئی اور اب تک یہ نظام جاری ہے پھر 1961ء میں ملکی و قومی وحدت کو برقرار رکھنے کے لے صدارتی اور پارلیمانی نظاموں کے درمیان کا ایک جمہوری نظام وضع کیا گیا جس کا جھکائو پارلیمانی نظام کی طرف زیادہ تھا۔

ماہنامہ الفرقان لکھتا ہے کویتی دستور کی تشریح کے ضمن میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ دستور دراصل قرآن کی آیت اللہ کے فرمان: وشاورھم فی الامر۔(معاملات حکومت میں)ان سے مشورہ کیا کرو کے عین مطابق ہے اسی طرح دوسری آیت میں ایسے نظام مملکت کی تعریف کی گئی ہے جو شورائی ہو۔ وامرھم شوری بینھم۔ ان کا نظام مملکت باہمی مشورے سے چلتا ہے اور اس کویتی نظام کی بنیاد نبی ﷺ کی سنت پر قائم ہے کہ آپ ﷺ مشورہ کرتے تھے اسی طرح ہم اپنی اسلامی روایات کے مطابق ملک چلا رہے ہیں یعنی معاشرہ میں اسلامی روایات پر کاربند ہونے کے ساتھ ساتھ نئی انسانی سوچ اور دیگر ممالک کے دستوری تجربات سے بھی استفادہ کرتے رہتے ہیں ان تمام امور کو مد نظر رکھ کر کویتی آئین تشکیل دیا گیا ہے یہ تو الفرقان کی تحریر ہے جس میں 1962ء کے دستور اور اسکے وضع کرنے والوں کی مدح و ستائش کی گئی ہے کہ یہ عین قرآنی شورائی دستور ہے۔

ہم اس کے بارے میں یہی کہیں گے جو ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ یہ لوگ بہر حال مشرعین (شریعت ساز قانون ساز)ہیں یہ جس طرح چاہتے ہیں جو چاہتے ہیں قوانین بناتے رہتے ہیں انہوں نے حقیقت میں کتاب و سنت کو پیچھے چھوڑ دیا ہے اس کے عوض قیمت لی ہے یعنی عہدے حاصل کر لئے ہیں۔

یہ لوگ 62ء کے دستور کے مطابق قوانین بناتے ہیں اور طریقہ مکمل طور پر جمہوری اپنایا ہوا ہے جو کہ اصل میں یونان کا دستور و آئین ہے جسے دیمقراطی (ڈیموکریسی) کہا جاتا ہے یہ دو لفظوں کا مجموعہ ہے دیموس جسکا معنی ہے قوم اور کراتوس جسکا معنی ہے حکم پورے مجموعے کا لفظی معنی ہے قوم کا حکم یا قوم کی حکومت قوم کا قانون۔

ڈیموکریسی کی سب سے بڑی خصوصیت یہی شمار کی جاتی ہے کہ یہ قوم کی حکومت یا قوم کا حکم یا قوم کا قانون ہے اسی لئے اسکی تعریف بھی کی جاتی ہے مگر ہر موحد اس بات سے واقف ہے کہ یہی تو شرک و کفر کی خاصیت ہے یہی تو باطل کی نشانی ہے یہی تو دین اسلام اور توحید کے معارض و منافی ہے اللہ کا ارشاد ہے۔

اِتَّخَذُوٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَاباً مِنْ دُوْنِ اللهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا اُمِرُوٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوٓا اِلٰهاً وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (التوبہ:31)

ان لوگوں نے اپنے علماء و درویشوں اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے علاوہ رب بنالیا ہے حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ یہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں وہ ان کے شریکوں سے پاک ہے

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللهُ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ (الشوری:21)

کیا ان کے ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے دین سے وہ قوانین بنائے ہیں جنکی اجازت اللہ نے نہیں دی اگر فیصلے کی بات مقرر نہ ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اسی کویتی دستور 62ء میں یہ جملہ درج ہے کہ شریعت اسلامی پہلا مصدر ہے قانون سازی کے لئے۔ ہر وہ شخص جو عربی سے واقفیت رکھتا ہے وہ اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ مصدر سے مراد ماخذ ہے گویا ان کے نزدیک قانون کے ماخذ بہت سارے ہیں جن میں پہلا اور اہم اسلامی شریعت ہے اور دیگر ماخذ شریعت اسلامیہ کے علاوہ کچھ اور ہیں یہ کلمہ لا الہ الا اللہ کے معنی و مفہوم سے انحراف کے برابر ہے یہ شرک فی الالوہیت اور شرک فی الربوبیت دونوں میں شامل ہے کہ شریعت اسلامی کے ساتھ دیگر مصادر و ماخذ بھی تسلیم کر لئے گئے اگرچہ وہ اصولی ہوں یا فرعی ہیں بہر حال موجود حالانکہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ شریعت یا قوانین کا ماخذ صرف ایک ہے یعنی اللہ رب العزت کا دین۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔

تیرے رب کی قسم (اے محمد ﷺ) یہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے اختلافی امور میں تجھے حکم نہ تسلیم کر لیں اور پھر اپنے دلوں میں آپ کے فیصلے سے کسی قسم کی خلش محسوس نہ کریں اور مکمل طور پر تسلیم کر لیں۔

الغرض ان قوانین میں کئی مقامات پر ایسا ہے کہ اللہ کی حرام کردہ کو حلال اور حلال کردہ کو حرام قرار دیا گیا ہے جیسے جہاد فی سبیل اللہ اسی طرح سود زنا وغیرہ کا جواز بھی مل جاتا ہے جبکہ حلال یا حرام قرار دینے کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے۔ (الفتاوی الکبری 6/339)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَه، عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (التوبہ:37)۔

یہ جو مہینہ ہٹانا ہے یہ کفر کے عہد میں بڑھائی ہوئی بات ہے یہ گمراہی میں پڑتے ہیں اس سے کافر حلال کر لیتے ہیں اس مہینہ کو ایک برس اور حرام رکھتے ہیں ایک برس تا کہ پوری کر لیں ان مہینوں کی گنتی جو اللہ نے ادب کے لئے رکھے ہیں پھر حلال کر لیتے ہیں جو مہینہ اللہ نے حرام کیا۔ مزین کر دیئے گئے ان کی نظر میں ان کے اعمال اور اللہ کافروں کو راستہ نہیں دکھاتا۔

ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں نسیئ کو کفر کہا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا عمل جو اللہ کے حرام کردہ کو حلال اور حلال کو حرام بناتا ہو جس نے اللہ کے حرام کردہ کو حلال کر لیا جبکہ اسے معلوم تھا کہ یہ چیز اللہ نے حرام قرار دی ہے تو ایسا شخص اس عمل کی وجہ سے کافر ہو گیا۔

ابن حزم کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتقاداً ہو یا نہ ہو اگر عملاً کوئی ایسا کام کر لیا تو وہ بھی کفر ہے اسی طرح جتنے بھی حرام کام ہیں زنا، چوری، شراب نوشی، اگر انہیں حلال سمجھا گیا تو یہ کفر ہے اور اگر حلال سمجھے بغیر صرف انکار تکاب کیا گیا تو یہ گناہ ہے شراب پینے والا اور اسکی اجازت دینے والا سود کا کاروبار کرنے والے اور اسے جائز قرار دینے والے میں فرق ہے اول الذکر صرف گناہ گار ہے جبکہ ثانی الذکر کافر ہے اسی طرح زنا کا مرتکب اور زنا کی حد میں تبدیلی کرنے والے میں فرق ہے ایسے قوانین بنانا جن سے حلال حرام اور حرام حلال ہوتا ہے یہ کفریہ عمل ہے یہ دیگر گناہوں کی طرح نہیں ہے جن میں کہ اعتقاد کا بھی اعتبار ہوتا ہے جس طرح کہ حرام کردہ مہینوں کو حلال کرنے والے مشرک یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ انہیں اللہ نے حرام قرار دیا ہے پھر بھی ان کے عمل کی وجہ سے قابل مذمت قرار پائے بلکہ ان کے عمل کو کفر میں اضافہ کہا گیا اسی طرح ہر وہ عمل جس سے اللہ کا حلال کردہ یا حرام کردہ حلال قرار دیا جائے کفر ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس نے نبی ﷺ کے فیصلے سے ذرا سی بھی دل میں تنگی محسوس کی وہ مومن نہیں ہے اس لئے کہ لفظ حرجا نکرہ ہے اسمیں ہر قسم کا حرج کم یا زیادہ سب شامل ہے جب آپ ﷺ کے فیصلے سے دل میں معمولی سا حرج بھی ایمان کے منافی ہے تو پھر وہ شخص کیسے مومن ہو سکتا ہے جو فیصلہ ہی کسی اور سے کروائے؟ جو قانون سازی کا حق اللہ

کے علاوہ کسی اور کیلئے بھی تسلیم کرتا ہو؟﴿ام لھم شرکاء شرعوا لھم من الدین ....﴾اسی کویتی دستور میں ایک جگہ مذکور ہے اگر قانون ساز سمجھتا ہو کہ کسی معاملے میں شرعی حکم کو مکمل طور پر نہیں لاگو کیا جاسکتا اور ہر جگہ نہیں ہوسکتا تو قانون ساز کی بات پر توجہ دی جانی چاہیئے یہ کتنی خطرناک بات ہے کہ شریعت کے احکام کو کسی دن یا کسی موقعہ پر اپنائیں گے اور کسی دن نہیں یہ تو کوئی اسلام نہ ہوا نہ یہ اللہ کی اطاعت ہے نہ اسکے احکام کی تابعداری ہے بلکہ یہ اپنی خواہشات ارادوں طاغوتی قانون ساز کی اطاعت ہے شق نمبر 51 میں ہے قانون کا نفاذ اسمبلی یا سربراہ مملکت دستور کے مطابق کرے گا شق نمبر 6 میں ہے کوئی قانون اس وقت تک جاری نہیں ہوسکتا جب تک کہ اسمبلی اسے پاس نہ کرے اور امیر کویت اسکی تصدیق نہ کرلے۔

شق نمبر 75 میں ہے امیر کو اختیار ہے کہ وہ سزائی میں تخفیف کرے یا معاف کرے مگر یہ سب قانون کے دائرے میں ہوگا۔

شق نمبر 180 میں ہے یہ قوانین اس وقت تک نافذ و قابل عمل رہیں گے جب تک انہیں معطل یا کالعدم قرار نہ دیا جائے اور یہ تعطل یا انعدام دستور کے مطابق ہو۔

شق نمبر 109 میں ہے مجلس دستور ساز کے ارکان کو قانون و دستور سازی کا اختیار حاصل ہے ہر وہ قانون یا ترمیم جو کسی رکن نے پیش کردی اور اسمبلی نے اسے مسترد کردیا وہ دوبارہ پیش نہیں ہوگی۔

کسی کو حرام اور اس کے حرام کردہ کو حلال ٹھہرایا جائے وہ کفر میں شمار ہے چاہے اعتقاد ہو یا نہ ہو۔ (امتاع النظر فی کشف شبہات مرجئۃ العصر 54 لابی محمد المقدسی)

اس کی دلیل امام احمد و نسائی کی نقل کردہ روایت ہے۔ براء بن عازب کہتے ہیں میری ملاقات اپنے ماموں ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی ان کے پاس جھنڈا تھا انہوں نے بتایا کہ مجھے نبی ﷺ نے ایک آدمی کے پاس بھیجا ہے جس نے اپنی سوتیلی ماں سے شادی کی تھی کہ اس کی گردن ماروں اور اسکا مال ضبط کروں۔(زاد المعاد 5/15)۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ابی بردہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ضمن میں رائے دی ہے کہ اس شخص کا مال ضبط کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کافر تھا فاسق نہ تھا اور کافر اس لئے تھا کہ اس نے اللہ کے حرام کردہ کو حرام نہیں سمجھا۔ (مجموع الفتاوی 20/91)

علامہ حمد بن عتیق رحمہ اللہ اسی ابو بردہ کی حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں ایسا آدمی جو ذی محرم عورت سے شادی کرے اسے قتل کردیا جائے گا اور اسکا مال بحق بیت المال ضبط کیا جائے گا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نے اللہ کے حرام کردہ کو حلال سمجھا وہ کافر ہے اسے قتل کیا جائے گا اور اس میں اسکی نیت معلوم نہیں کی جائے گی اس پر بہت سے علماء بشمول ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اجماع نقل کیا ہے۔ (الدفاع عن اهل السنه والاتباع ص 26 طبعه مکتبة الهداية)

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے حرام کردہ عورتوں سے زنا کرنے اور ان سے شادی کرنے میں فرق ہے اوّل الذکر نافرمان گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے مگر دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہے جبکہ دوسرا کافر ہے جیسا کہ مذکورہ دونوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ

جولوگ سود کھاتے ہیں وہ ایسے کھڑے ہوں گے جس طرح وہ شخص کھڑا ہوتا ہے شیطان نے جس کے حواس کھودیئے ہوں چمٹ کر۔(البقرہ:275)

شیخ احمد شاکر اس کے ضمن میں فرماتے ہیں ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جولوگ سود کو اس طرح کھاتے ہیں کہ بظاہر اس کو شرعی جواز کی صورت دیدی ہو اس پر احمد شاکر کہتے ہیں کہ اس طرح کے حیلے وہاں کئے جاتے ہیں جہاں مسلمان بستے ہیں اور بظاہر اسلام نافذ ہوتا ہے مگر اب جبکہ اسلامی کہلانے والے ممالک میں دین اسلام کے بجائے انگریز کے غیر اسلامی اور ملحدانہ قوانین نافذ ہیں تو ایسے میں یہ حیلے کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ اس غلط عمل پر اچھی عمل کا لبادہ ڈال دیا جائے بلکہ اب تو سودی لین دین کھل کر ہو رہا ہے۔(عمدۃ التفسیر:2/192)

شیخ محمد بن حامد الفقی کہتے ہیں طاغوت کی کئی قسمیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ غیر اسلامی قوانین کے مطابق حکومت کی جائے فیصلے کئے جائیں یعنی قتل، مال، سود، زنا، حدود، ہر چیز کے فیصلے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق ہوں اور اس کے بنانے والے طاغوت ہیں(فتح المجید ص269-348)

شیخ عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین سے کسی نے سوال کیا کہ جو شخص اللہ کی نازل کردہ شریعت کو چھوڑ کر کسی اور قانون کے مطابق حکومت کرتا ہے یا فیصلہ کرتا ہے کیا وہ کافر ہے اور جو لوگ اس میں اعتقاد یا حلال سمجھنے کی شرط لگاتے ہیں اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

شیخ نے جواب دیا جو لوگ اس میں اعتقاد کی شرط لگاتے ہیں یہ غلطی پر ہیں اس لئے کہ جب ہم کسی آدمی کو کوئی عمل کرتا ہوا دیکھتے ہیں اور وہ اس کے کرنے پر مجبور بھی نہیں ہے بلکہ خوش اور راضی ہے تو ہم خود ہی یہ حکم لگا دیں گے کہ اس نے اس عمل کو حلال اور جائز سمجھ لیا ہے لہٰذا ہم اس کا عمل دیکھ کر ہی اس پر فتوی لگائیں گے اور اگر وہ شخص ہمارے سامنے یہ کہے کہ میں اس عمل کو حلال نہیں سمجھ رہا اور میں اس کے عدم جواز کا عقیدہ رکھتا ہوں مگر اس کے باوجود وہ شخص وہ کام کر رہا ہے تو ہم اس کی بات پر یقین نہیں کریں گے بلکہ اس کے عمل پر ہی حکم لگائیں گے اس لئے کہ کسی کے دل کی بات کو معلوم کرنا ہماری ذمہ داری نہیں ہے جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں لوگوں کے دلوں میں نقب لگاؤں یا ان کے پیٹ چاک کر کے دیکھوں۔(متفق علیہ)۔

لہٰذا ہم بھی ظاہری عمل دیکھیں گے عمل اچھا ہو گا تو ہم اسکی تحسین و تائید کریں گے عمل برا ہو گا تو ہم اس پر وہی حکم لگائیں گے جو ہمیں نظر آرہا ہو گا۔

یہ چند گذارشات اور نمونے ہم نے آپ کے سامنے پیش کئے تاکہ کفریہ قوانین اور ایک اسلامی ملک کا دستور سامنے لاکر بقیہ ممالک کے دساتیر کو اس پر قیاس کر کے اندازہ لگائیں۔

ہماری ان گذارشات سے آپ کے سامنے اسمبلی میں قوم کے نمائندوں کی حقیقت کا بھی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ یہ لوگ شریعت ساز و قانون ساز ہیں یہی لوگ رب و طواغیت و شرکاء ہیں انہوں نے اللہ کا حق تشریع چھیننے کی کوشش کی ہے اب ان میں کسی کی نیت اچھی ہو کہ بری اس میں کوئی فرق نہیں ہے اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک نے اللہ کے حق پر حملہ کیا ہے اپنے حدود سے آگے جانے کی کوشش کی ہے ہر مؤحد مسلمان پر لازم ہے کہ ان سے براءت وبیزاری کا اظہار کرے جس نے ان کو اس مقام پر پہنچایا ہے وہ مشرک ہے اس نے شرک فی الربوبیت کا بھی ارتکاب کیا ہے اور شرک فی الالوہیت کا بھی جو لوگ ہماری رائے کی مخالفت کرتے ہیں ہم انہیں دعوت دیتے ہیں کہ چار قسم کے دلائل میں
سے کسی ایک سے اپنا مدعا ثابت کر دیں کتاب اللہ سنت رسول اللہ اجماع اور یا مباہلہ۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَاجَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللهُ وَ اِنَّ اللهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللهَ عَلِيْمٌ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۔(آل عمران:61)

جب تیرے پاس علم آگیا اور پھر بھی تیرے ساتھ کوئی جھگڑا کرے تو ان سے کہدو کہ آؤ ہم بلالیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں ہم بھی اور تم بھی پھر ہم التجا کریں اور اللہ کی لعنت کریں جھوٹوں پر بے شک یہ سب حق کا بیان ہے اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ غالب حکمت والا ہے اگر یہ لوگ پھر جائیں تو اللہ فساد کرنے والوں کو بخوبی جانتا ہے۔

یہ کام ائمہ بھی کر چکے ہیں جیسا کہ:

امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوگوں کے پاس اصحاب السبت (یہودیوں) کی طرح حیلے ہیں میں اپنے مخالفین کو چار میں سے ایک کی طرف دعوت دیتا ہوں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع اہل العلم، اگر انکار کرتے ہیں تو پھر مباہلہ کا چیلنج جس طرح کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بعض مسائل میراث میں اور سفیان اور اوزاعی نے مسئلہ رفع الیدین میں کیا اور دیگر علماء بھی مباہلہ کا چیلنج دے چکے ہیں۔(الدرر السنیۃ کتاب العقائد ص55)۔

ہم نے اس رسالہ میں جو کچھ لکھا ہے یہ صرف الدین النصیحۃ کے تحت بھلائی کی نیت سے لکھا ہے اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں ہر حال میں اسلام پر قائم رکھے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اخوانکم فی الاسلام:
مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان
Website: http://muwahideen.co.nr
Email: help@tawhed.webege.com